یعنی

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

جلد دوم

تالیف

محمد منظور نعمانی

کتبخانۂ الفرقان لکھنؤ

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

"مَعَارِفُ الحَدِيث"

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید انتخاب

اردو ترجمہ اور تشریحات کیساتھ

جو

اس زمانہ کے تعلیمیافتہ مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو
پیشِ نظر رکھکر ——— مرتب کیا گیا ہے!

جلد دوم
"کتاب الرقاق"
"کتاب الاخلاق"

تالیف: محمد منظور نعمانی

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان ——— لکھنؤ

قیمت مجلد 5/50 ۔ (مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ) ۔ غیر مجلد -/11

سنہ ۱۳۷۸ھ ۔ سنہ [illegible]ء

حکمت سنجاں را صلائے عام دہ
از نبیِ اُمّی پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں ——— جو
"نبی اُمّی" سیدنا حضرت محمد عربی (فداہ اُمّی وابی وروحی وقلبی) پر
ایمان رکھتے ہیں
اور آپ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم کی نجات کا
یقین کرتے ہیں
اور اسلئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں
آیئے
علم و تصوّر ہی کے راستے مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہو کر
آپ کے ارشادات سنیں!
اور
اس چشمۂ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کے لئے روشنی حاصل کریں!

———

عاجز و عاصی
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین "معارف الحدیث" جلد دوم بقید صفحہ

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ

دیباچہ ـــــــــ از مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ

"معارف الحدیث" کی پہلی جلد (کتاب الایمان) ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری جلد اب ۱۳۷۶ھ کے اواخر میں شائع ہو رہی ہے ـــــ پہلی جلد میں ایمان اور آخرت سے متعلق ایک سو چالیس حدیثوں کی شرح ہو چکی ہے اس دوسری جلد میں جو "کتاب الرقاق" اور "کتاب الاخلاق" پر مشتمل ہے دو سو ساٹھ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

ناچیز مؤلف کا خیال ہے کہ اُن حدیثوں کے بعد جن کا تعلق ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرۃ سے ہے دینی و روحانی تربیت اور تعمیر سیرت میں سب سے زیادہ مؤثر وہ حدیثیں ہوتی ہیں جن کو حضرات محدثین اپنی کتابوں کے ابواب رقاق اور ابواب اخلاق میں درج کرتے ہیں، اسی بنا پر اس ناچیز نے اس دوسری جلد میں اُنہی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

اس جلد میں سو حدیثیں سلسلۂ رقاق کی ہیں، اور باقی ایک سو ساٹھ سلسلۂ اخلاق کی ـــــ رقاق سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات، وہ خطبات و مواعظ اور آپ کی زندگی کے وہ حالات و واقعات ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے دل میں رقت و خشیت اور گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور دنیا کی وقعت نظر میں کم ہوتی اور آخرت کی فکر بڑھتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں ایک مومن کا مطمح نظر اور نصب العین کیا ہونا چاہئے، اور کس طرح یہاں اس کو زندگی بسر کرنا چاہئے، کن چیزوں سے دل لگانا چاہئے، اور کن چیزوں کی طرف سے دل اور نگاہ کو ہٹانا چاہئے۔

انسانی وجود میں سب سے اہم اور اصل کارفرما وہ عنصر یا وہ قوت ہے جس کو قلب یا دل کہا جاتا ہے، اُس کا رُخ اگر صحیح ہو تو انسان کی پوری زندگی صحیح رُخ پر چلتی ہے، اور اس کا رُخ غلط ہو جائے تو پوری زندگی غلط ہو جاتی ہے "رقاق" کی حدیثوں کا خاص موضوع اور خاص کام یہی ہے کہ وہ دل کے رُخ کو صحیح کرتی ہیں، اور دل کا رُخ صحیح ہو جانے کے بعد ہی وہ اعلیٰ اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں جن سے آراستہ ہو کر انسان خلیفۃ اللہ بنتا ہے، اور جن کا انسانی معاشرہ میں مکمل طور سے پیدا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا اہم مقصد بتلایا ہے (اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ)[1] ـــــ بہرحال ناچیز نے اپنے اسی خیال کی بنا پر اس دوسری جلد میں "رقاق" اور "اخلاق" کی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

پہلی جلد کی طرح اس دوسری جلد کی حدیثیں بھی عموماً مشکوٰۃ المصابیح سے لی گئی ہیں۔ چند حدیثیں جمع الفوائد سے بھی لی گئی ہیں اور اُن کی تخریج میں بھی انہی دونوں کتابوں کے مؤلفین پر اعتماد کیا گیا ہے۔ صرف دو چار حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحاح کی اُمہات کتابوں سے لی ہیں، جن سے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

---

[1] میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ میرے ذریعہ مکارم الاخلاق کی تکمیل ہو۔ (کنز العمال ج ۵ ص ۲ بحوالہ مؤطا امام مالک وغیرہ)

جو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر اُن حدیثوں کی تخریج میں صرف ان ہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا اس کے صحیح اور مقبول ہونے کی ضمانت کے لئے کافی ہے۔

احادیث کی ترتیب، ترجمہ و تشریح اور عنوانات میں وہ بنیادی باتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ان ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر پہلی جلد کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے اس لئے اب یہاں اُن کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس دوسری جلد پر مقدمہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے جس میں انہوں نے حدیث و سُنّت کی اہمیت پر ایک بالکل نئے انداز میں گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک نئی راہ کھولی ہے۔ اُمید ہے کہ جو لوگ ایمان اور عقلِ سلیم کی دولت سے بالکل محروم نہ کر دیئے گئے ہوں گے اُن کو مقدمہ کے ان چند صفحات کے مطالعہ سے یہ یقین ان شاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا کہ حدیث و سُنّت کی محفوظیت کا انکار اور اس کے بارے میں بے اعتمادی پھیلانے کی کوشش اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گذارش یا وصیت

پہلی جلد کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے ——— کہ

حدیثِ نبویؐ کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رُشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز درس و مطالعہ کے وقت رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سُنا جائے کہ گویا حضورِ اقدسؐ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں، اور آپؐ فرما رہے ہیں اور ہم سُن رہے ہیں ——— اگر ایسا کیا گیا تو قلب و رُوح کو اُن انوار و برکات اور اُن ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصّہ ان شاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبویؐ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست رُوحانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس خدمت کے اتمام کے لئے اُس سے حُسنِ توفیق کی استدعا اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اور اُسکے بندوں کی دُعاؤں کا محتاج و طلبگار
عاجز و گنہگار بندہ
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

(از- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں، وہاں صراحتہً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے :-

(۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفوس

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۝ (الجمعہ ۱۶)	وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں ایک رسول انھیں میں سے مبعوث فرمایا جو اُن پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے، اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔
كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ (البقرہ - ۱۸۶)	جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا، جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے، اور تمھیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے، اور تمھیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

در حقیقت بعثتِ محمدیؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم و حکمت عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا یقین و ایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوقِ آخرت، نیا جذبۂ زہد و قناعت، دنیا کی متاعِ حقیر اور دولتِ فانی کی تحقیر، نئی محبت و اُلفت، حسنِ سلوک، ہمدردی، برّ و مواسات، مکارمِ اخلاق اسی طرح سے نیا ذوقِ عبادت، خوف و خشیت، توبہ و انابت، دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی۔ اور انہیں خصوصیات کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام ان مقاصد و نتائجِ بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابۂ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت و تعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی، اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرنِ اوّل کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریقِ عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔۔۔۔۔

(۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، آپ کی زندگی و سیرت و اخلاق

(۲) قرآن مجید

(۳) آپ کے ارشادات و ہدایات، مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثتِ نبویؐ کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی، اور ایک ایسی ہیئتِ اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات سب ہی موجود ہوں وجود میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے۔ صحابۂ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق، اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں وہ

تنہا تلاوتِ کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اُس کامل ترین، موثر ترین، محبوب ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز اُن کے سامنے رہتی تھی۔ اُس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو اُن کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور اُن مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور اُن ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیاتِ طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے۔ اس سب کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاجِ خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور اُن کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ اُن پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات، اور عمل کی صحیح کیفیات اور رُوح بھی تھی حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انھوں نے قرآن مجید سے "اقامتِ صلوٰۃ" کا حکم پایا تھا، اور "اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ" کی تعریف بھی سُنی تھی، مگر انھوں نے اس کی صحیح کیفیت اُسی وقت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں، اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی جس کو انھوں نے "وَلِصَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ" (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سُنتے تھے جیسے ہنڈی میں اُبال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ انھوں نے قرآن مجید سے جانا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے، لیکن جب تک انھوں نے زبانِ نبویؐ سے "قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ" (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بیقراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ "اَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ" (بلال! اذان دے کر مجھے آرام پہونچاؤ) نہیں سُنا، اُن کو نماز کے ساتھ اُس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا۔ اسی طرح جب تک انھوں نے خاصانِ اُمت کے سلسلہ میں "وَقَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ" (اُن کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے اُن کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سُنے اُن کو مسجد اور قلبِ مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا۔ انھوں نے قرآن مجید میں بار بار دُعا کی ترغیب دیکھی تھی، دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سُنا تھا، اور تضرع و ابتہال (گریہ وزاری اور الحاح و اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اس کی حقیقت انھوں نے اُس وقت جانی جب انھوں نے میدانِ بدر میں آپؐ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سُنا کہ "اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ

اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ[۱] " (اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر تا) تو تیری عبادت نہ ہو گی) اور بیقراری کی وہ کیفیت۔ کبھی جو حضرت ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جا سکی یہاں تک کہ انھوں نے عرض کیا "حَسْبُكَ" (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دُعا کی رُوح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے۔ اور جس دُعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اُسی قدر وہ دُعا قیمتی ہے لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انھوں نے عرفات میں آپؐ کو یہ کہتے سُنا:-

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ
وَتَرٰى مَكَانِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ
وَعَلَانِيَتِيْ لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ
شَيْءٌ مِنْ أَمْرِيْ وَأَنَا الْبَائِسُ
الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ
الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ
الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ
أَسْأَلُكَ مَسْأَلَةَ الْمِسْكِيْنِ
وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ إِبْتِهَالَ
الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ
وَأَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ
الضَّرِيْرِ، وَدُعَاءَ مَنْ
خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهُ

اے اللہ تو میری بات کو سُنتا ہے اور میری
جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو
جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں
رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں،
فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں،
ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں
اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال
کرتا ہوں، جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے
آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار، و ذلیل و خوار
گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے
خوف زدہ، آفت رسیدہ طلب کرتا ہے، اور جیسے
وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے
سامنے جھکی ہو، اور آنکھ آنسو بہہ رہے ہوں

۱؎ بخاری جلد ثانی کتاب المغازی۔ ۱۲

وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ — اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے

لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ — ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو اے

اَنْفُهٗ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ — اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ

بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَّكُنْ بِيْ — رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت

رَءُوْفًا رَّحِيْمًا، يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ — رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے

يَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ [1] — بہتر اور اے سب دینے والوں سے اچھے

انھوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقتی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا، اور وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے، اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ اُن کو یاد تھے، مگر اُس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کے طرزِ زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے، اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے [2]۔ اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشاداتِ نبویؐ میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو انکے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ اُنکی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خُلق، رِفق، جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے، صاحبِ لسان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحبِ نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں ان کی تطبیق، نیز صحیح عمل، ان کو صرف اُس وقت معلوم ہوا جب اُنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب، اہلِ خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپکی اس بارے میں ہدایات، وصیتیں اور ارشادات سُنے، اُن کو عامۃ المسلمین کے حقوق ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر

---

[1] کنز العمال عن ابن عباس

[2] ملاحظہ ہو معارف الحدیث جلد دوم حصہ کتاب الرقاق زیرعنوان "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی"۔

اسکی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادتِ مریض، اتباعِ جنائز، تشمیتِ عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں
انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں، اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی۔ اسی طرح والدین اور اہلِ حقوق کے
ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے مگر کتنے سلیم الاخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے
ساتھ حسنِ سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام تک پہونچتا جس کا اظہار حدیثِ نبوی اِنَّ مِنْ اَبَرِّ
الْبِرِّ بِرُّ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُوَلِّيَ (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسنِ سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ
یہ ہے کہ اپنے والدین کے انتقال کے بعد انکے دوستوں اور اہلِ محبت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری کا
اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہونچ سکتے جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے "وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ
يُقَطِّعُهَا فِيْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ (اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے
الگ الگ کراتے، پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)۔

حدیث کے شعبۂ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی
کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے، اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے، اور وہ انسانیت کے لئے کیسا
بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو
اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کیلئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور
منتج بنانے کے لئے درکار ہے۔ مثال کے طور پر اقامتِ صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا
کر سکتا جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت، اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، نفسی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج
و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے، اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی
ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع و مؤثر بنائیں۔ اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور و
تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری
و قابلِ عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز
اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی، اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والا

ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے عمل اور آپؐ کے ارشادات و ہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیتِ اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق، نیز اُمّت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے۔ مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستہ میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دُعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان و اقامت کا ثواب، امامت کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلّم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی اہم بالشان چیز اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ آنحضرتؐ کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے، اس مجموعے سے اُمّت کی نماز کس مقام تک پہونچ جاتی ہے اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور رُوحانی ماحول تیّار ہوتا ہے۔ صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے، اور حدیث سے ان کے آداب، فضائل، معمولاتِ نبوی اور واقعاتِ زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہیئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب، فضائل اور واقعات سے مجرّد و منقطع کر لیا جائے اور ان کو اس ماحول سے جُدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے تیّار کرتی ہے (اور جو اب حدیث کی بنا پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے) تو ان کی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے، اور ان میں جذبات کو اُبھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جِلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و انابت کی رُوح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

درحقیقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا نام حدیث و سنّت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول تیّار کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بار آور ہوتا ہے۔ دین کسی خشک اخلاقی

ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں۔ وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان جذبات،
واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالاتِ زندگی سے
ماخوذ ہو۔ یہودی اور عیسائی نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اسلئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس
اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا، اور ان مذاہب کو وہ دینی
ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروانِ مذاہب دینی نشو و نما و ترقی حاصل کرتے اور مادیت و الحاد کے حملوں سے
محفوظ رہتے۔ انھوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروانِ مذاہب و پیرانِ طریقت کے واقعات
و ملفوظات سے پر کیا، مگر اس "خانہ پری" نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات و رسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا
جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی۔ ان مذاہب و اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعاتِ زندگی کے
بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی اب ایک مسلمہ تاریخی حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے[1]۔ اسلام کے
آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا۔ جس ذہنی و روحانی ماحول میں
اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابۂ کرامؓ نے زندگی گزاری حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کیلئے
محفوظ کر دیا گیا۔ بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے
اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعتاً اس ماحول میں پہنچ جائے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس موجود ہیں،
جہاں رسول اللہ مصروفِ تکلم اور صحابہؓ گوش بر آواز ہیں، جہاں احکام کے ساتھ عمل کی شکلیں اور عمل کی شکلوں
کے ساتھ جذبات و کیفیات کے سارے نقوش نظر کے سامنے ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان
کس طرح کے اعمال و اخلاق، اور یقینِ آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہاں ایک دریچہ ہے جس سے
رسول اللہؐ کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت و معیشت اپنی
آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کے سجدہ کی کیفیت آنکھوں سے اور آپ کی دعا و مناجات کا زمزمہ کانوں سے
سنا جا سکتا ہے۔ پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشکبار اور قدمِ مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان یہ پوچھنے
اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ۔ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟) وہ
غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں، جن آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولہا گرم ہوتے نہیں دیکھا

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (خطبات مدراس خطبہ اول تاریخیت ۔ ۱۲

جنھوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، جس نے سونے سے پہلے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہِ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرضِ وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا، اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے؟ اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت، اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا، وہ مکارمِ اخلاق اور انسانیتِ کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا ——— پھر اس ماحول میں صرف کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابۂ کرامؓ کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، ان کے دنوں کی تپش، ان کی شبوں کا گداز، ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بے نفسی و للّٰہیت اور ان پر نفسِ انسانی کے حملے، ان کا انقیاد و کمال اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں یہاں حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے اور کعب بن مالکؓ کے غزوۂ تبوک سے بچھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے۔ غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے، اور حدیث نے اس کا پورا عکس لیکر قیامت تک کے لئے دورِ نبویؐ کو محفوظ کر دیا ہے ——— قرآن مجید کے ساتھ عہدِ نبویؐ کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا اسلام کا ایک اعجاز اور ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی اُمت اس کی شریک و سہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ، عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کو غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔ تدوینِ حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دورِ متاخر کی کوئی صنعت نہیں ہے۔ صحابۂ کرامؓ کا عہدِ نبویؐ ہی میں کتابتِ حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا، پھر انہیں کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران خراسان اور ترکستان کے طالبینِ علم کے سمندر کا اُمنڈ آنا، اس کا جمع و حفظِ حدیث سے عشق و شغف، ان کا غیر معمولی حافظہ، ان کا عزم و عالی ہمتی، پھر اسماء رجال و فنِ روایت کے مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکۂ راسخ

اور بصیرت کاملہ حاصل تھی پھر ان کا انہماک و خود فراموشی، پھر اُمت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام
میں مقبولیت اور اشاعت[1] یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس صحیفۂ زندگی
کو محفوظ کرنا مقصود تھا۔ اسی کی بدولت حیاتِ طیبہ کا استمرار و تسلسل باقی رہا، اور اُمت کو اپنے ہر دور میں
وہ روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابۂ کرامؓ کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح جس طرح
عقائد و احکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری نہیں رہا، بلکہ ذوق و مزاج میں بھی توارث کا سلسلہ جاری رہا
حدیث کے اثر سے عہدِ صحابہؓ کا "مزاج و مذاق" ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک
منتقل ہوتا رہا، اور اُمت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں ملے گا جب یہ "مزاج و مذاق"
یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابۂ کرامؓ کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں۔
وہی عبادت کا ذوق، وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع و احتسابِ نفس، وہی
شوقِ آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبۂ
اتباعِ سنت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا اُن لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنھوں نے اسی
مشکوٰۃِ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراثِ نبوی سے حصہ پایا ہو۔ اُمت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث
قرنِ اوّل سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہدِ الحاد و مادیت تک برابر قائم ہے۔ اور سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ
اور امام احمد بن حنبلؒ سے لیکر مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا سید عبداللہ غزنوی
رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ
باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اس کے ذریعہ عہدِ صحابہؓ کا ماحول محفوظ ہے۔ دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق
جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسوم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے، باقی رہے گا، اور
کبھی اس اُمت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکارِ آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں کر سکے گا
بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس اُمت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اٹھتی رہیں گی، اور کوئی نہ کوئی جماعت
حق کی علمبردار اور سنت و شریعت کے فروغ کے لئے کفن بر دوش رہے گی، جو لوگ اُمت کو زندگی، ہدایت اور

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی فاضلانہ تصنیف "تدوینِ حدیث"

قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرے کی طرف سے بے اعتمادی اور شک و ارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہونچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم طریبہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ اِس اُمّت کو اُسی طرح سے "محروم الارث" منقطع الاصل اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادثِ روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا۔ اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا، اسلئے کہ پھر اس "مزاج و مذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہؓ کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہِ راست صحبتِ نبویؐ سے پیدا ہو سکتا ہے یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیاتِ نبویؐ کا بولتا چالتا روزنامچہ ہو اور جس میں عہدِ نبویؐ کی کیفیات بسی ہوئی ہیں۔

ہندوستان میں ہر دور میں قرآن مجید کے ترجمہ کیساتھ حدیث کے ترجمہ اور اس کی ترتیب و اشاعت کا کام جاری رہا۔ جہانتک ہم کو معلوم ہے یہاں سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ کا فارسی میں ترجمہ و تشریح کی جو (اشعۃ اللمعاتؔ) کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ فارسی کا دور ختم ہو جانے کے بعد غالباً سب سے پہلے مولانا خرم علی صاحب بلہوریؒ (۱۲۷۱ھ) نے امام صغانی کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" کا ترجمہ مع تشریح اُردو میں "تحفۃ الاخیار" کے نام سے کیا۔ اس کے مابعد خاندانِ ولی اللّٰہی کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خانؒ (م ۱۲۸۹ھ) نے مشکوٰۃ کا اُردو میں ترجمہ ضروری تشریح کیساتھ "مظاہر حق" کے نام سے لکھا جو اپنی تحقیق، ترجمہ کی پختگی اور صحت اور اپنے مصنف کے اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔ اس دور کے ختم ہو جانے کے بعد اُردو میں حدیث کے متعدد نئے مجموعے شائع ہوئے جن میں مولانا محمد ابراہیم آروی کا مجموعہ "طریق النجاۃ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے ——— ہمارے اس زمانے میں اُردو میں حدیث کی خدمت کا ایک کام اعلیٰ پیمانہ اور وسیع پیمانے پر مولانا بدر عالم صاحب کر رہے ہیں، ان کی زیرِ تالیف کتاب "ترجمان السنۃ" کی تین جلدیں تیار ہو کر شائع ہو چکی ہیں، ہماری نظر میں یہ اس سلسلہ کی ایسی فاضلانہ کتاب ہے کہ علماء اور اصحابِ درس بھی اس سے استفادہ کر سکیں گے لیکن اُردو میں حدیث کی قدیم و جدید ان سب خدمتوں کے بعد بھی ضرورت تھی کہ اس

عہدِ انقلاب اور اس کی ضرورتوں اور ذہنی خصوصیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے متوسط درجہ کے لوگوں کے لئے (جن کے پاس وقت بھی کم ہے اور بڑی علمی استعداد بھی نہیں رکھتے) احادیث کا ایک متوسط درجہ کا مجموعہ مرتب کیا جائے اور احادیث کے انتخاب، ترتیب اور تشریح میں اس مقصد کو خاص طور سے ملحوظ رکھا جائے کہ ذہن کو اذعان اور قلب کو اطمینان حاصل ہو اور زندگی کے بگاڑ کی اصلاح ہو ——— نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ احادیث کے سلسلہ میں اس دور میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ بعض سلیم طبیعتیں بھی مزید تشفی کی طالب ہوتی ہیں ان کو بھی حل کیا جائے۔ یہ کام وہی کرسکتا تھا جو ایک طرف رسوخ فی الدین اور رسوخ فی العلم کی دولت سے بہرہ یاب ہو دینی حقائق پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہو اور اس کو ہر دینی حقیقت پر علمی و ذہنی طور پر بھی شرح صدر ہو، اس سب کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور اختلاط و اجتماع اور مطالعہ کے ذریعہ اس عصر کی افتادِ طبیعت اور دماغی ساخت سے بھی واقف ہو نئے فتنوں اور تحریکات سے بھی بے خبر نہ ہو، اور اپنے حاضر علم، وسیع مطالعہ، وسیع تجربہ اور خداداد فہم و قوتِ استدلال سے احادیث کی ترجمانی اور نئے ذہن کی تشفی کی صلاحیت رکھتا ہو۔

یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق تھی کہ اس نے اس اہم اور نازک کام کے لئے رفیقِ محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کو منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے دینی و علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائی ہے، لیکن میری نظر میں ان کے تمام کاموں میں اس کام کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، اور مجھے بھی اس کی سعادت حاصل ہوئی ہے کہ میں مولانا سے اس کام کی تکمیل کا تقاضا کروں۔ اس وقت ان کی کتاب "معارف الحدیث" کی (دوسری جلد) قارئین کے سامنے ہے، جس میں زہد و رقاق اور اخلاق سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو مرتب کر کے اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس سے بڑھ کر اصلاحِ قلوب، تزکیۂ نفوس اور تربیتِ اخلاق کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کے بعد دنیا کے ادب میں موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی صحت و زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ وہ اس اہم سلسلہ کو جلد از جلد مکمل کر لیں۔

ابوالحسن علی ندوی

۲۹ ذی الحجہ [illegible]ھ

مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ لکھنؤ

معارف الحدیث
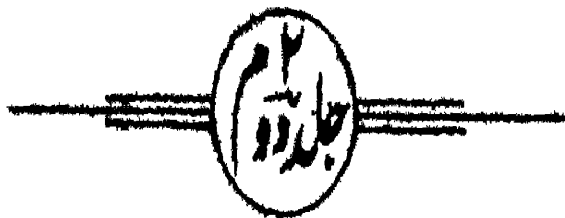
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ ـــــــ

(رواہ الترمذی وابوداؤد عن زید بن ثابت)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ـــــــ

اللہ تعالیٰ اپنے اُس بندے کو شاد و شاداب رکھے جو میری بات سُنے، پھر اُسے یاد کرے اور محفوظ رکھے، اور دوسروں تک اسے پہونچائے پس بہت سے لوگ فقہ (یعنی علم دین) کے حامل ہوتے ہیں مگر خود فقیہہ نہیں ہوتے۔ اور بہت سے علم دین کے حامل اس کو ایسے بندوں تک پہونچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہہ ہوں ـــــــ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سینہ یا سفینہ میں محفوظ رکھیں، اور دوسروں کو سُنا کر اور پہونچا کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس دُعا کے مصداق بنیں ـــــــ

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ناظرین کو اس خیر عظیم میں حصہ لینے کی توفیق دے!۔

کتابُ الرّقاق

حدیث کی کتابوں میں جس طرح کتابُ الایمان، کتابُ الصلوٰۃ، کتابُ الزکوٰۃ، کتاب النکاح، کتاب البیوع وغیرہ عنوانات ہوتے ہیں، جن کے تحت اِن اَبواب کی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، اسی طرح ایک عنوان "کتابُ الرّقاق" کا ہوتا ہے، جس کے ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جاتی ہیں جن سے دل میں رقّت اور گداز کی کیفیت پیدا ہو، دنیا سے دلبستگی کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے، اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اِسکے علاوہ اِسی عنوان کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤثر خطبات و نصائح اور مواعظ بھی درج کیے جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حدیث کے ذخیرے میں سب سے زیادہ مؤثر اور زندگی کے رُخ کو بدلنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھنے والا حصّہ یہی ہوتا ہے، جو کُتبِ حدیث میں "کتابُ الرّقاق" کے زیرِ عنوان درج ہوتا ہے، اِسلئے اس کی خاص اہمیت ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی اسلامی تصوّف کی یہی اساس و بنیاد ہے۔

ہم اِس سلسلہ کو اُن حدیثوں سے شروع کرتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا خوف و خشیت اور آخرت کی فکر دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، یا کسی عنوان سے اُس کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن ارشادات کے جو اثرات اُن خوش نصیب اہلِ ایمان کے قلوب پر پڑتے تھے جنھوں نے سب سے پہلے خود حضورؐ کی زبانِ مُبارک سے یہ ارشادات

سُنتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کا کوئی ذرّہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

خدا کا خوف اُور فکرِ آخرت

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اُور فلاح کے مقام تک اُس کو پہنچانے میں چونکہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت اُور آخرت کی فکر کو ہے، اِسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت میں اِن دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، کبھی اِس خوف وفکر کے فوائد اُور فضائل بیان فرماتے، اُور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر وجلال اُور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے، جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں ـــــ آپ کے مشہور صحابی حضرت حنظلہ ابن الربیع کی حدیث جو چند صفحات کے بعد آپ پڑھیں گے اُس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کا خاص موضوع گویا یہ تھا، اُور صحابۂ کرام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اُور آخرت اُور دوزخ وجنت کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے، تو اُن کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ وجنت گویا اُن کی آنکھوں کے سامنے ہیں ـــــ حدیث کے صرف موجودہ ذخیرے سے اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں جن کا مقصد خدا کا خوف اُور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے، تو بلا شبہ ایک پورا کتاب صرف ان ہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے ـــــ یہاں صرف چند ہی حدیثیں اِس سلسلہ کی درج کی جاتی ہیں۔

اگر عالمِ غیب ہم پر منکشف ہو جائے . . . . .

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّ

لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا ——————— رواہ البخاری ۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، سیدنا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے قہر و جلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے، جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے، اور رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی، اور اُسکے قہر و جلال، اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے، اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا چین و سکون ختم ہو جائے، تم بہت کم ہنسو، اور بہت زیادہ روؤ ——— اس کی مزید تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی اگلی حدیث سے معلوم ہوگی۔

(۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا فِیْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدًا لِلّٰہِ، وَاللّٰہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ ——— قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ شَجَرَۃً تُعْضَدُ ———

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا ۔ میں عالم غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا رہا ہے، اور حق ہے کہ وہ چرچرائے ۔ قسم ہے اُس ربِّ ذوالجلال کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے سجدے میں نہ پڑا ہو، اگر تم وہ باتیں جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے، اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ وزاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے ——— (اس حدیث کو نقل کر کے) ابوذرؓ فرماتے ہیں ۔ کاش! میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا ۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(**تشریح**) اس سلسلہ کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے خدا کے پیغمبر کا اصل کام اور مقام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو غیبی حقائق اُس پر منکشف فرمائے، اور جن احکام کی اُس کی طرف وحی کی جائے، وہ اللہ کے دوسرے بندوں کو پہونچائے، اور اُس پر ایمان لانے والے اُمتیوں کا مقام اور کام یہ ہے کہ اُس پیغمبر کے اعتماد و اعتبار پر اُن سب باتوں کو وہ حق جانیں، مانیں، اور اُن ہی حقائق کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں ——— اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو علم کے جو ذرائع عقل و حواس وغیرہ عطا فرمائے ہیں، اُن کی دسترس صرف اسی عالم شہود تک محدود ہے، عالم غیب تک اُن کی رسائی نہیں ہے، اسلئے غیبی حقائق کی دریافت اور ان کے بارے میں علم و یقین حاصل کرنے کی راہ ہمارے لئے یہی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کے سماع و مشاہدہ اور اُن کی خبر پر ہم اعتماد کریں، اور یقین لائیں، اسی کا نام ایمان ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عالم غیب کے اپنے اس ہیبت ناک انکشاف کا ذکر فرمایا ہے، کہ اللہ کے جلال اور فرشتوں کی کثرت سے آسمان چرچرا رہا ہے

اور چار انگل بھر جگہ بھی اُس میں ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو ——— اَللّٰہُ اَکْبَرُ! اَللّٰہُ اَعْظَمُ! اَللّٰہُ اَجَلُّ!!! ——— آگے حضورؐ نے فرمایا، کہ :- اگر میری طرح تم بھی وہ سب کچھ جان لو، جو میں جانتا ہوں، اور جو دیکھتا سنتا ہوں، تو تم اِس دُنیا میں اس طرح ہنسی خوشی نہ رہ سکو، بستروں پر بیویوں سے لطف اندوزی کا بھی تم کو ہوش نہ رہے، اور گھروں سے نکل کر جنگلوں میں اللہ کے سامنے نالۂ و فریاد اور گریۂ و زاری کرتے پھرو ——— حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ بعض اوقات اِس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ اُن کے دل کی یہ آواز زبان سے نکل جاتی تھی، کہ :- اے کاش! میں ایک درخت ہوتا جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا، اور پھر آخرت میں حساب کے لئے میری پیشی نہ ہوتی

(ف) اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافتِ ارضی کا کام لینا ہے، اور وہ جب ہی ممکن ہے کہ انسان اِس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے، اِسلئے وہ حقیقتیں اور وہ چیزیں عام انسانوں سے پردۂ غیب میں رکھی گئی ہیں جن کے انکشاف کے بعد آدمی اِس دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا، مثلاً قبر کا یا دوزخ کا عذاب، اور اسی طرح قیامت کے لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر منکشف کر دیئے جائیں، اور ہم لوگ ان کو برأیِ العین دیکھ سکیں، تو پھر اس دنیا میں ہم کوئی کام نہیں کر سکتے، بلکہ زیادہ دنوں تک زندہ بھی نہیں رہ سکتے ——— لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص کام لینا تھا، اُسکے لئے ضروری تھا کہ آپ پر ان چیزوں کا انکشاف کر دیا جائے، اور ایک درجہ پر ان حقائق کا مشاہدہ آپ کو کرا دیا جائے، تاکہ آپ کے اندر وہ عین الیقین اور حق الیقین پیدا ہو جائے، جس کی آپ کے منصبِ عالی اور کارِ عظیم کے لئے ضرورت تھی، اِسلئے اِس قسم کے بہت سے غیبی حقائق آپ پر منکشف کئے گئے، اور اسی کے ساتھ حکمتِ خداوندی نے آپ کے قلبِ مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی، کہ اِس انکشاف اور مشاہدہ کے باوجود آپ اپنے

تمام فرائض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں، اور دنیا میں ایسی جامع اور معتدل زندگی
گزار سکیں، جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقے کے انسانوں کے لئے نمونہ
بن سکے صلی اللہ علیہ وسلم۔

غفلت کو دور کرنے کیلئے موت کو زیادہ یاد کرو:-

(۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
لِصَلٰوۃٍ فَرَأَی النَّاسَ کَاَنَّھُمْ یَکْتَشِرُوْنَ قَالَ اَمَا اِنَّکُمْ لَوْ
اَکْثَرْتُمْ ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَکُمْ عَمَّا اَرَی الْمَوْتَ
فَاَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَاِنَّہٗ لَمْ یَاْتِ عَلَی الْقَبْرِ
یَوْمٌ اِلَّا تَکَلَّمَ فَیَقُوْلُ اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَۃِ وَاَنَا بَیْتُ الْوَحْدَۃِ
وَاَنَا بَیْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ
قَالَ لَہُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَّاَھْلًا اَمَا اِنْ کُنْتَ لَاَحَبَّ مَنْ یَّمْشِیْ
عَلٰی ظَھْرِیْ اِلَیَّ فَاِذَا وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ اِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ
بِکَ قَالَ فَیَتَّسِعُ لَہٗ مَدَّ بَصَرِہٖ وَیُفْتَحُ لَہٗ بَابٌ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِذَا
دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ اَوِ الْکَافِرُ قَالَ لَہُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَّلَا
اَھْلًا اَمَا اِنْ کُنْتَ لَاَبْغَضَ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ اِلَیَّ فَاِذَا
وُلِّیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ اِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ قَالَ فَیَلْتَئِمُ
عَلَیْہِ حَتّٰی تَخْتَلِفَ اَضْلَاعُہٗ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَصَابِعِہٖ فَاَدْخَلَ بَعْضَھَا فِیْ جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ
وَیُقَیَّضُ لَہٗ سَبْعُوْنَ تِنِّیْنًا لَوْ اَنَّ وَاحِدًا مِّنْھَا نَفَخَ فِی الْاَرْضِ
مَا اَنْبَتَتْ شَیْئًا مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا فَیَنْھَشْنَہٗ وَیَخْدِشْنَہٗ حَتّٰی

يُفْضِى بِهٖ إِلَى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْحُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ ــــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز کے لئے گھر سے مسجد تشریف لائے، تو آپ نے لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ گویا (وہاں مسجد ہی میں) وہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں، (اور یہ حالت علامت تھی غفلت کی زیادتی کی) اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُن کی اس حالت کی اصلاح کے لئے) ارشاد فرمایا۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو، تو وہ تمھیں اس غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے، لہذا موت کو زیادہ یاد کیا کرو ــــــــ

(اسکے بعد فرمایا) ــــــ حقیقت یہ ہے کہ قبر (یعنی زمین کا وہ حصہ جس کو مرنے کے بعد آدمی کا آخری ٹھکانا بننا ہے) ہر روز پکارتی ہے ــــــــ

(ظاہر ہے کہ زبانِ قال سے پکارتی ہے، اور اس کی اس پکار کو وہی سُن سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر روز قبر زبانِ حال سے پکارتی ہے) کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں (اور قبر کی زبان حال کی اس پکار کو تو ہر وہ بندہ ہر وقت سُن سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبانِ حال کی باتیں سُننے والے کان عطا فرمائے ہوں) ــــــــ

(اسکے بعد آپ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ مرنے کے بعد جب بندہ کا واسطہ اُس زمین سے پڑتا ہے، اور وہ اسکے سپرد ہوتا ہے، تو ایمان و عمل کے فرق کے لحاظ سے زمین کا برتاؤ اسکے ساتھ کتنا مختلف ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا) جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے جو حقیقی مومن و مسلم ہو، تو زمین (کسی عزیز

اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے، اور کہتی ہے مرحبا! (میرا دیدہ و دل فرشِ راہ) خوب آئے، اور اپنے ہی گھر آئے، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے اُن میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی تھے اور آج جب تم میرے سپرد کر دیئے گئے ہو اور میرے پاس آگئے ہو، تو تم دیکھو گے کہ (تمہاری خدمت اور راحت رسانی کے لئے) میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں، پھر وہ زمین اُس بندۂ مومن کیلئے حدِ نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے، اور اُس کیواسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے ـــــــ اور جب کوئی سخت بدکار قسم کا آدمی، یا (آپ نے فرمایا، کہ) ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو زمین اُس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تو مجھے اُن سب سے زیادہ مبغوض تھا، اور آج جب تو میرے حوالے کر دیا گیا ہے، اور میرے قبضے میں آگیا ہے، تو ابھی تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں ــــ آپ نے فرمایا کہ ـــــ پھر وہ زمین ہر طرف سے اُس کو بھینچتی اور دباتی ہے، یہانتک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہیں ـــــ ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا ـــــ اسکے بعد فرمایا ـــــ پھر اُس پر ستر اژدھے مسلط کر دیئے جاتے ہیں، جن میں سے ایک اگر زمین میں پھنکار مارے، تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبزہ نہ اگا سکے، پھر یہ اژدھے اُسے برابر کاٹتے نوچتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہونچا دیا جائے ـــــ ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ ـــــ اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ:- اسکے سوا کچھ نہیں، کہ قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) قبر کے عذاب و ثواب کے متعلق پوری تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے۔ اور عقل کی خامی سے جو سوالات اور شبہات اِس بارہ میں پیدا ہو سکتے ہیں، اُن کا جواب بھی وہیں دیا جا چکا ہے، یہ بھی وہیں بتایا جا چکا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانا ہے، خواہ وہ اصطلاحی قبر ہو یا کچھ اور، نیز وہیں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ ثواب یا عذاب کی تفصیلات میں جہاں جہاں حدیثوں میں ستّر کا، یا اسی طرح کا کوئی دوسرا بڑا عدد آتا ہے تو اُس سے مراد صرف کثرت اور ہیبت بھی ہو سکتی ہے، الغرض اِن سب پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، یہاں تو حدیث کی اس رُوح کو سمجھنا چاہئے کہ بندے کو خدا سے، اور آخرت کے اپنے انجام سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہئے، اور موت اور قبر کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے ذریعہ غفلت کا علاج کرتے رہنا چاہئے، اور بلا شبہ یہ تیر بہدف علاج ہے صحابۂ کرام میں جو تقویٰ، جو خوفِ خدا اور آخرت کی جو فکر تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طریقِ علاج کا نتیجہ تھا، اور آج بھی یہ اوصاف کچھ اُن ہی بندگانِ خدا میں نظر آتے ہیں، جنھوں نے موت اور قبر کی یاد کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، کہ موت اور قبر کی یاد کے ذریعہ اپنی غفلتوں کا علاج کریں، اور خدا کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو اپنی زندگی کی اساس بنائیں۔

(۴) عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللهَ اذْكُرُوا اللهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ ———— رواه الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو آپ اُٹھتے، اور فرماتے:۔ اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آ گیا ہے ہلا ڈالنے والا

قیامت کا بھونچال (یعنی نفخۂ اولیٰ) اور اُس کے پیچھے آرہا ہے دوسرا (یعنی نفخۂ ثانیہ) موت اُن سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آچکی ہے جو اس کے ساتھ آتے ہیں، موت اپنے متعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آچکی ہے۔ (ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں، اُن سب کو پیشِ نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے، اس کے بعد کچھ آرام فرماتے تھے، اور پھر تہجد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا، تو جیسا کہ حضرت اُبی بن کعبؓ کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، آپ اپنے متعلقین اور عام اہلِ ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لئے بیدار کر دینا چاہتے تھے، اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کے لئے اُس وقت آپ اُن کو قیامت کی لرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے ـــــ بلاشبہ خوابِ غفلت کو دور کرنے کے لئے، اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور اُس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لئے، یہ نسخہ بڑا اکسیر ہے ـــــ آج بھی جس شخص کو آخری رات میں تہجد کے لئے بستر سے اُٹھنا مشکل ہو، وہ اگر اُس وقت موت اور قبر اور قیامت کی سختیوں کو یاد کر لیا کرے، تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کافور ہو جاتا ہے۔

خوف اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں:-

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللهِ الْجَنَّةُ ـــــ رواه الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے، اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے یاد رکھو، اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے، یاد رکھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے (ترمذی)

(تشریح) عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے، اور اس کی وجہ سے قزاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا، وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چل دیتا، اور اس تدبیر سے بحفاظت وعافیت اپنی منزل پر پہونچ جاتا ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال سے سمجھایا، کہ جس طرح رہزنوں کے حملے سے ڈرنے والے مسافر، اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے چل دیتے ہیں، اسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافرِ آخرت کو چاہیئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہونچنے کیلئے اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کرے، اور منزلِ مقصود کی طرف تیز گامی سے چلے ــــــ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ :۔ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے، وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ یوں ہی مفت دے دی جائے، بلکہ وہ نہایت گرانقدر اور بیش قیمت چیز ہے، جو جان ومال اور خواہشاتِ نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے، اور وہ چیز جنت ہے ــــــ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ــــــ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ ــــــ الآیۃ ــــــ

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے اُن کے جان ومال جنت کے عوض میں خرید لئے ہیں، وہ اپنا جان ومال اللہ کی راہ میں قربان کر دیں تو جنت کے مستحق ہوں گے، گویا جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان ومال ہے۔

موت اور آخرت کی تیاری کرنیوالے ہی ہوشیار اور دور اندیش ہیں :-

(۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجُلٌ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ مَنْ اَکْیَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَکْثَرُهُمْ ذِکْرًا لِلْمَوْتِ وَاَکْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا اُولٰئِکَ الْاَکْیَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْیَا وَکَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ ــــ

(رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :- اے اللہ کے پیغمبر! بتلائیے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے ؟- آپ نے ارشاد فرمایا :- وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں، انھوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی، اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی - (معجم صغیر للطبرانی)

(تشریح) جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے جس کیلئے کبھی فنا نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دور اندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اسکے برعکس وہ لوگ بڑے ناعاقبت اندیش اور احمق ہیں جنھیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں -

(۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ ــــــــ رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے) عمل کرے، اور نادان و ناتواں وہ ہے، جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کر دے (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے اُمیدیں باندھے۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

(تشریح) دنیا میں کیّس (چالاک و ہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے، جو دنیا کمانے میں چست و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کرنا چاہے کر سکتا ہو، اور بیوقوف و ناتواں وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو ——— اور اہلِ دنیا جو اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اُن کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہیئے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اور اس زندگی میں کامیابی اُن ہی کیلئے ہے، جو اس دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گذاریں ——— اسلئے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پا کر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا رکھا ہے ——— اور اسکے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنا لیا ہے، اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و اوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی اُمیدیں باندھتے ہیں، وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چست و چالاک اور پھرتیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناعاقبت اندیش، کم عقلے، اور ناکامیاب و نامراد ہیں، کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے اُس کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گذارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے اچھے انجام کی اُمید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی

بات نہیں سمجھتے، کہ :-

گندم از گندم بروید جو ز جو   از مکافات عمل غافل مشو

اِس حدیث میں اُن لوگوں کو خاص آگاہی دی گئی ہے، جو اپنی عملی زندگی میں اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے پرواہ اور بے فکر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ کی رحمت اور اسکے کرم سے اُمیدیں رکھتے ہیں، اور جب اللہ کا کوئی بندہ ٹوکتا ہے، تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اِس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں، اور اُن کا انجام نامرادی ہے ـــــــ پس معلوم ہوا کہ رجاء یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی اُمید وہی محمود ہے جو عمل کے ساتھ ہو، اور جو اُمید بے عملی اور بدعملی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ رجاء محمود نہیں ہے، بلکہ نفس و شیطان کا فریب ہے۔

نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے بندے :-

(۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ؟ قَالَ لَا يَا ابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ ــــ

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی آیت "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" کے بارے میں دریافت کیا، کہ :- کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری

کرتے ہیں؟ ــــــ آپ نے فرمایا: ــ اے میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں، جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں، اور اسکے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اُن کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

(ترمذی وابن ماجہ)

(**تشریح**) سورۂ مومنون کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں، جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں، اِس سلسلہ میں اُن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے "وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" (جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں، اور اُن کے دل ترساں رہتے ہیں) ــــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ:۔ کیا اس سے مُراد وہ لوگ ہیں، جو شامتِ نفس سے گناہ تو کرتے ہیں، مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور بے باک نہیں ہوتے، بلکہ گناہگاری کے باوجود اُن کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا:۔ کہ نہیں! اس آیت سے مُراد ایسے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے وہ عبادت گذار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ، اور صدقہ وخیرات جیسے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اُنکے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے، یا نہیں ــــــ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے "اُولٰٓئِكَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ" (یہی بندے حقیقی بھلائیوں، اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں، اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانے والے ہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو جواب دیتے ہوئے اِس سلسلہ کی اِس آخری

آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا، اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کا قہر و جلال بہت ہی ڈرنے کے لائق ہے، کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو، اور برابر ڈرتا رہے، کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے کسی کے دل میں جس قدر خوف ہوگا، اسی قدر وہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

قیامت کے دن بڑے سے بڑا عبادتگزار بھی اپنی عبادت کو ہیچ سمجھے گا:-

(۹) عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَفَعَهُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا يُخَرُّ عَلَى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ إِلَى يَوْمِ يَمُوتُ فِي مَرْضَاةِ اللهِ لَحَقَّرَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(رواہ احمد)

(ترجمہ) عتبہ بن عبید سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے، موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے سجدہ میں پڑا رہے، تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہوں گی، اور جزا و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، جو یہاں پردۂ غیب میں ہیں، تو اللہ کے وہ بندے بھی جنھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذارا ہوگا یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں پڑا رہا ہو، اس کا احساس بھی یہی ہوگا، اور وہ اپنے اس عمل کو بھی ہیچ سمجھے گا۔

قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں کی بھی باز پرس ہوگی :-

(۱۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَائِشَةُ اِیَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا ــــــــ

(رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔ اے عائشہ! اپنے کو اُن گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُن کی بھی باز پرس ہونے والی ہے۔

(سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے، اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں، لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں، ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے، حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہے، ہمیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہئے ــــــ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہی نصیحت فرمائی ہے، اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، لیکن درحقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی اُمت کے سب مردوں اور عورتوں کے لئے ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص گھر والوں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی

ضرورت ہے تو ہماشما کے لئے اس میں غفلت اور بے پروائی کی کیا گنجائش ہے ——— حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہونے کی حیثیت سے، اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی بازپرس ہونے والی ہے ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہے، دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہریلے اور کم زہریلے سانپوں میں ہوتا ہے، پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے اور بھاگتے ہیں اسی طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، یہی اس حدیث کا منشا اور مقصد ہے۔

گناہوں کے انجام کا خوف اور رحمت خداوندی سے امید :-

(۱۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی شَابٍّ وَھُوَ فِی الْمَوْتِ فَقَالَ کَیْفَ تَجِدُکَ قَالَ اَرْجُوا اللّٰہَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَاِنِّیْ اَخَافُ ذُنُوْبِیْ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبِ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ مَا یَرْجُوْمِنْہُ وَاٰمَنَہٗ مِمَّا یَخَافُ ——— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس اسکے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا، تشریف لے گئے، اور آپ نے اُس سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اُسنے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں، اور اسی کے ساتھ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ——— یقین کرو جس دل میں امید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں)

جمع ہوں، تو اللہ تعالیٰ اُس کو وہ ضرور عطا فرما دیں گے جس کی اُس کو اللہ کی رحمت سے اُمید ہے، اور اُس عذاب سے اُس کو ضرور محفوظ رکھیں گے جس کا اُس کے دل میں خوف و ڈر ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) بیشک اللہ کا خوف اور اُس کے عذاب اور اُس کی پکڑ سے ڈرنا ہی نجات کی کنجی ہے۔

جسکے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف پیدا ہوا، وہ دوزخ سے نکلوالیا جائے گا۔

(۴۲) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللهُ جَلَّ ذِكْرُهٗ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا اَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ — رواہ الترمذی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا: ۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (اُن فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے) حکم دے گا، کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا، یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا، اُس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔

(جامع ترمذی، کتاب البعث والنشور للبیہقی)

(تشریح) کتاب الایمان میں جیسا کہ تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، یہ بات کتاب و سنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے، کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا، اور اُس کا کوئی عمل بھی اُس کو دوزخ سے نہ نکلوا سکے گا، اس لئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جو شخص دنیا سے اس حالت میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا، بلکہ ایمان اُس کو نصیب تھا، لیکن گناہ اُسکے بہت تھے اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ اُسکے ساتھ نہیں تھا، بجز اسکے کہ اُسنے کبھی اللہ کو یاد کیا تھا، یا کسی

موقع پر اسکے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی، تو قیامت کے دن وہ اپنے قصوروں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا، لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اُس کو نجات مل ہی جائے گی، اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت :-

(۱۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ ——— رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم (مثلاً مکھی کے سر برابر یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اسکے چہرہ پر پہونچ جائیں، تو اللہ تعالیٰ اُس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوفِ خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو، اُس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا، اور دوزخ کی آنچ کبھی اُس کو نہ لگ سکے گی ———

"کتاب الایمان" میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے، ان کا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضا اور خاصہ یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس عمل کے کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا، بشرطیکہ اُس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہوا ہو جس کا تقاضا اسکے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو، یا اگر کبھی ایسا گناہ اُس سے ہوا ہو تو وہ اُس سے تائب

ہو چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اُس کی معافی مانگ چکا ہو —— یہ نہ سمجھا جائے، کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

اللہ کے خوف سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجانے کی سعادت :-

(۱۴) عَنِ الْعَبَّاسِ رَفَعَهُ إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا۔

(رواہ البزار)

(ترجمہ) حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ :- جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اُس وقت اسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(تشریح) خوف و خشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں، لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے، کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اسکے جسم پر بھی ہوتا ہے، مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو، تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے، اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو، تو وہ بھی اسکے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اسکے اثر سے روتا بھی ہے، اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں، اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو، تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پس جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان کو سنائی گئی ہے، اسی طرح حضرت عباسؓ کی اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے، کہ اللہ کی خشیت و ہیبت سے

جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اُس وقت اُسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

ایک گناہگار نے خوفِ خدا سے بہت بڑی جاہلانہ غلطی کی، اور وہ بخشا گیا:۔

(۱۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرَفَ رَجُلٌ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَوْصَى بَنِيهِ إِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوهُ ثُمَّ اذْرُوا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوا مَا أَمَرَهُمْ فَأَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيهِ وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيهِ ثُمَّ قَالَ لَهُ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَأَنْتَ أَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهُ ـــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا، یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گذارتا رہا) جب اُس کی موت کا وقت آیا، تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کرکے اُس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا، اور آخرت کے بُرے انجام سے وہ بہت ڈرا یہاں تک کہ) اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، کہ جب میں مرجاؤں، تو تم مجھے جلاکر راکھ کردینا، پھر تم میری اُس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا، اور آدھی کہیں دریا میں بہادینا (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے، اور میں جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں، اُسنے کہا کہ میں ایسا گناہگار ہوں کہ) اللہ کی قسم! اگر خدا نے مجھے

پکڑ لیا، تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا، جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دیگا ــــ اسکے بعد جب وہ مر گیا، تو اُسکے بیٹوں نے اُس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اُس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اُڑا دیا، اور کچھ دریا میں بہا دیا) ــــ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خشکی اور تری سے اُسکے اجزا جمع ہوئے (اور اُس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اُس سے پوچھا گیا، تونے ایسا کیوں کیا؟ ۔ اُسنے عرض کیا، ۔ اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا ــــ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا، کہ) اللہ تعالیٰ نے اُس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اِس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ بیچارہ خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا، اور اعمال بھی اچھے نہ تھے، لیکن مرنے سے پہلے اُس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی، کہ اُسنے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کر دی، اور بیچارہ سمجھا کہ میری راکھ کے اِس طرح خشکی اور تری میں منتشر ہو جانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا ــــ لیکن اس جاہلانہ غلطی کا منشاء اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اُسکے عذاب کا ڈر تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُس کو بخش دیا۔

حدیث کے لفظ "لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ" کے بارہ میں شارحین نے بہت کچھ علمی موشگافیاں کی ہیں، لیکن اِس عاجز کے نزدیک سیدھی بات یہ ہے، کہ خدا کے خوف سے ڈرے سہمے ہوئے بیچارے ایک جاہل کی یہ جاہلانہ تعبیر تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم نے اس کو بھی معاف کر دیا، مطلب بیچارہ کا وہی تھا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم

خدا کا خوف اور تقویٰ ہی فضیلت اور قرب کا معیار ہے:۔

(۱۶) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ

إِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوَىٰ۔

(رواه احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا:۔ تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلہ میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلہ میں۔ البتہ تقوے، یعنی خوفِ خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت، شکل و صورت، نسل و رنگ، اور زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، فضیلت کا معیار بس تقوے ہے (یعنی خوفِ خدا، اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) پس اس تقوے میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اُتنا ہی بڑا اور بلند ہے ——— اسی حقیقت کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔ "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ"

(۱۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوصِيهِ وَمُعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي تَحْتَ رَاحِلَتِهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَا مُعَاذُ إِنَّكَ عَسَى أَنْ لَا تَلْقَانِي بَعْدَ عَامِي هَذَا أَوْ لَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِي هَذَا أَوْ قَبْرِي فَبَكَى مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ نَحْوَ الْمَدِينَةِ فَقَالَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي الْمُتَّقُونَ مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا ——— رواه احمد

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کے لئے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ

حضورؐ کے حکم کے مطابق وہاں کے لئے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے کے لئے) حضورؐ بھی اُن کو کچھ نصیحتیں اُور وصیتیں فرماتے ہوئے اُن کے ساتھ چلے، اُس وقت حضرت معاذ تو (حضورؐ کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے، اُور حضورؐ خود اُن کی سواری کے ساتھ نیچے پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ ضروری نصیحتوں اُور وصیتوں سے فارغ ہو چکے، تو آخری بات آپ نے یہ فرمائی، کہ:۔ اے معاذ! شاید میری زندگی کے اِس سال کے بعد میری تمھاری ملاقات اُب نہ ہو۔ (گویا آپ نے ان کو اشارہ فرمایا، کہ میری زندگی کا یہی آخری سال ہے، اُور میں عنقریب ہی اِس دُنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جانے والا ہوں۔ اِس کے بعد آپ نے فرمایا) اُور شاید ایسا ہو، کہ (اُب جب کبھی تم یمن سے واپس آؤ تو بجائے مجھ سے ملنے کے اس مدینہ میں) تم میری اِس مسجد اُور میری قبر پر گذرو ۔۔۔۔ یہ سُنکر حضرت معاذ (حضورؐ کی وفات کے تصور، اُور) آپ کے فراق کے صدمے سے رونے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف سے منہ پھیر کے، اُور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا:۔ مجھ سے بہت زیادہ قریب اُور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں، جو خدا سے ڈرتے ہیں (اُور تقوے والی زندگی گذارتے ہیں) وہ جو بھی ہوں، اُور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (مسند احمد)

(تشریح) حضورؐ کے ارشاد کے اِس آخری حصّہ کا مطلب یہ ہے، کہ اصل چیز روحانی تعلق اُور قرب ہے، اُور میرے ساتھ اس تعلق کا دارمدار تقوے پر ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنی ہی دُور یمن میں، یا دنیا کے کسی بھی حصّہ میں ہو، لیکن اُس کو خوفِ خدا اُور تقوے نصیب ہو، تو وہ مجھ سے قریب ہے، اُور گویا میرے ساتھ ہے، اُور اِسکے برعکس کوئی شخص ظاہری اُور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو، لیکن اُس کا دل تقوے کی دولت سے خالی ہو، تو اس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے، اُور میں اُس سے دور ہوں ۔۔۔۔ آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ

حضرت معاذ کو تسلی دی، کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوفِ خدا اور تقوے تمہارے دل، اور تمہاری رُوح کو نصیب ہے تو پھر تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دُور نہ ہوگے ـــــ اسکے علاوہ دنیا کی یہ زندگانی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دارِ آخرت ہے، اور وہاں اللہ کے سارے تقوے والے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ اور میرے قریب رہیں گے، اور پھر اُس قرب و وصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہوگا۔

اس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رُخ غالباً اسلئے حضرت معاذ کی طرف سے پھیر کے مدینہ کی طرف کر لیا تھا، کہ معاذ کے رونے سے غالباً آپ خود آبدیدہ ہوگئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذ آپ کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں، نیز یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ اپنے ایک سچے محب کا رونا دیکھ کر آپ کا دل دکھتا ہو، اور اسلئے اُس وقت آپ نے اُن کی طرف سے مُنھ پھیر لیا ہو، محبت و عقیدت کی دنیا میں اس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذ کو رخصت کرتے وقت آپ نے اُن کو تو حکم دے کے سواری پر سوار کرا دیا، اور خود بات کرتے ہوئے پیدل نیچے چلتے رہے ـــــ اس میں کتنا بڑا سبق، اور کیسا نمونہ ہے، اُن سب لوگوں کے لئے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقوے ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ کی وہ رفاقت نصیب فرمائے جس کی بشارت حضورؐ نے اس حدیث میں دی ہے۔

خوف و خشیت اور فکر آخرت کے لحاظ سے
رسول اللہ صلعم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حال

ذیل میں چند حدیثیں وہ درج کی جارہی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ خوف خدا اور فکر آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام کا حال کیا تھا، اور ان کی زندگی پر اسکے کیا اثرات پڑتے تھے:۔

(۱۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُدْخِلُ اَحَدًا مِّنْکُمْ عَمَلُہُ الْجَنَّۃَ وَلَا یُجِیْرُہٗ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ ــــــــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "تم میں سے کسی کا عمل اُس کو جنت میں نہ لے جاسکے گا، اور نہ دوزخ سے بچا سکے گا، اور میرا بھی یہی حال ہے، مگر اللہ کی رحمت اور اُسکے کرم سے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد، کہ میں بھی اپنے عمل اور اپنی عبادت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم ہی سے جنت میں جاسکوں گا، آپ کے دل کی خوف و خشیت کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۱۹) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّیْحُ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاِذَا تَخَیَّلَتِ السَّمَآءُ تَغَیَّرَ لَوْنُہٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَ فَاِذَا مُطِرَتْ سُرِّیَ عَنْہُ فَعَرَفَتْ ذٰلِکَ عَائِشَۃُ فَسَاَلَتْہُ فَقَالَ لَعَلَّہٗ یَا عَائِشَۃُ کَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ "فَلَمَّا رَاَوْہُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِھِمْ قَالُوْا ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا" ــــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ جب ہوا زیادہ تیز چلتی تو آپ کی زبان پر یہ دعا جاری ہو جاتی "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الخ" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوا کی بھلائی کا اور اس میں جو کچھ ہے اُسکی بھلائی کا، اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہے اُس کی بھلائی کا، اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اِسکے شر سے، اور اس میں جو کچھ ہے اُسکے شر سے، اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہے اُسکے شر سے) اور جب آسمان پر اَبر آتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور (اضطراب کی یہ حالت ہوتی کہ) کبھی باہر آتے، کبھی اندر جاتے، کبھی آگے آتے کبھی پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہو جاتی (اور خیریت سے گزر جاتی) تو یہ کیفیت آپ سے دور ہوتی ——— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی اِس حالت اور واردات کو سمجھ لیا اور آپ سے پوچھا (کہ تیز ہوا کو اور ابر کو دیکھ کر حضورؐ کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا:- عائشہ! (میں ڈرتا ہوں کہ) شاید یہ ابر و باد اُس طرح کا ہو جو (حضرت ہود پیغمبر کی قوم) عاد کی طرف بھیجا گیا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں اِس طرح کیا گیا ہے) کہ جب اُن لوگوں نے اُس بادل کو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا یہ ابر ہمارے لئے بارش لانے والا ہے ——— (حالانکہ وہ بارش والا اَبر نہ تھا، بلکہ آندھی کا ہلاکت خیز طوفان تھا، جو اُنکو تباہ کرنے ہی کے لئے آیا تھا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہؓ کی اِس حدیث کا ماحصل اور مقصد صرف یہی ہے کہ حضور کے قلب مبارک پر اللہ کے خوف و خشیت کا ایسا غلبہ تھا کہ ذرا ہوا تیز چلتی تو آپ گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے اُسکے خیر کے حاصل ہونے کی اور اسکے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے اور جب آسمان پر ابر نمودار ہوتا تو اللہ کے جلال کی دہشت و ہیبت سے آپ کا یہ حال ہو جاتا کہ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے اور آپ کی یہ کیفیت اِس خوف اور ڈر سے ہوتی کہ کہیں بادل کی شکل میں اللہ کا ویسا عذاب نہ ہو جیسا کہ حضرت ہودؑ کی سرکش قوم عاد پر اَبر ہی کی شکل میں بھیجا گیا تھا، جسے اپنے علاقہ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر نادانی سے وہ خوش ہوئے تھے اور انھوں نے اس کو ابر رحمت سمجھا تھا، حالانکہ وہ عذاب کی آندھی

تھی ـــــــ حدیث میں آیت کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ نا تمام ہیں ـــــــ آخری حصہ یہ ہے : بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

(۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ـــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہؐ! آپ پر بڑھاپا آ گیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- مجھے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلٰت، سورۂ عم یتساءلون، اور سورۂ تکویر (اذا الشمس کوّرت) نے۔ (ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی، اور قویٰ جیسے اچھے، اور طبیعت جیسی معتدل تھی، اسکے لحاظ سے آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہئے تھے، لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے، تو حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز عرض کیا، کہ :- حضرت! آپ پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا! آپ نے ارشاد فرمایا کہ :- مجھے قرآن مجید کی اِن سورتوں (سورۂ ہود اور واقعہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا ـــــــ اِن سورتوں میں قیامت و آخرت اور مجرموں پر اللہ کے عذاب کا بڑا دہشت ناک بیان ہے ـــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مضامین سے اس قدر متاثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا، اور بلاشبہ خوف و فکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں، اسی لئے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا" کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا ـــــــ اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

قلب مبارک کا حال کیا تھا۔

(۲۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِيْ اَلْمُهْلِكَاتِ ــــــــ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے، انھوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا:۔ تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمھاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام پر خوفِ خدا کا اتنا غلبہ تھا، اور وہ آخرت کے حساب اور انجام سے اس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو، اور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو، اور ان سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، وہ ان کو مہلک سمجھتے تھے، اور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۲۲) عَنِ النَّضْرِ قَالَ كَانَتْ ظُلْمَةٌ عَلٰى عَهْدِ اَنَسٍ فَاَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ يَا اَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ هٰذَا يُصِيْبُكُمْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتِ الرِّيْحُ لَتَشْتَدُّ فَنُبَادِرُ اِلَى الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ تَكُوْنَ الْقِيَامَةُ ــــــــ رواہ ابو داؤد۔

(ترجمہ) نضر تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ کالی آندھی آئی، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے پوچھا، کہ:۔ اے ابو حمزہ! کیا ایسی کالی اور اندھیری آندھیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر آتی تھیں؟۔ انھوں نے فرمایا:۔ اللہ کی پناہ! وہاں تو یہ حال تھا، کہ ذرا ہوا تیز ہو جاتی، تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابوداؤد)

(۲۳) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ؟ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهٖ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ ذٰلِكَ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت حنظلہ بن الربیع سے روایت ہے کہ ایک دن مجھے ابوبکر ملے اور انھوں نے پوچھا:۔ حنظلہ! کیا حال ہے؟۔ میں نے اُن سے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:۔ پاک ہے اللہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا۔ بات یہ ہے کہ:۔ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں،

اُور آپ دوزخ اُور جنّت کا بیان فرما کے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ہمارا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گویا ہم دوزخ اُور جنّت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچّے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اُور مشغول کر لیتے ہیں، اُور پھر ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے یہ سُن کر فرمایا، کہ:- اِس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہے۔ اسکے بعد میں اُور ابوبکر دونوں چلدیئے، اُور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے (اپنا حال بیان کرتے ہوئے) عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، یہ کیا بات ہے؟۔ میں نے عرض کیا، کہ:- حالت یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، اُور آپ دوزخ اُور جنّت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا دوزخ اور جنّت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچّے، اُور کھیتی باڑی کے دھندے ہم کو اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں اُور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں، یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:- قسم ہے اُس ذات کی! جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تمہارا حال ہمیشہ ویسا ہی رہے جو میرے پاس ہوتا ہے، اُور تم دائماً ذکر میں مشغول رہو، تو فرشتے تمہارے بستروں پر اُور راستے میں تم سے مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ (اللہ نے اس کا مکلف نہیں کیا ہے، بلکہ) بس اتنا ہی کافی ہے، کہ وقتاً فوقتاً یہ ہوتا رہے، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (مسلم)

(ف) حضرت حنظلہ کی اِس روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ صحابۂ کرام میں آخرت اُور دین کی فکر کس درجہ میں تھی، کہ اپنی حالت میں معمولی تغیر اُور ذرا سا اختلاط دیکھ کر وہ اپنے پر نفاق کا شبہ کرنے لگتے تھے۔

(۲۴) عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ لِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ تَدْرِیْ مَا قَالَ اَبِیْ لِاَبِیْکَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ اَبِیْ قَالَ لِاَبِیْکَ یَا اَبَا مُوْسٰی هَلْ یَسُرُّکَ اَنَّ اِسْلَامَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهِجْرَتَنَا وَجِهَادَنَا مَعَهٗ وَعَمَلَنَا کُلَّهٗ مَعَهٗ بَرَدَ لَنَا وَاَنَّ کُلَّ عَمَلٍ عَمِلْنَا بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ کَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ فَقَالَ اَبُوْکَ لِاَبِیْ لَا وَاللّٰهِ قَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّیْنَا وَصُمْنَا وَعَمِلْنَا خَیْرًا کَثِیْرًا وَاَسْلَمَ عَلٰی اَیْدِیْنَا بَشَرٌ کَثِیْرٌ وَاِنَّا لَنَرْجُوْ ذَالِکَ فَقَالَ اَبِیْ لٰکِنِّیْ اَنَا وَالَّذِیْ نَفْسُ عُمَرَ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنَّ ذَالِکَ بَرَدَ لَنَا وَاَنَّ کُلَّ شَیْءٍ عَمِلْنَاهُ بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ کَفَافًا رَأْسًا بِرَأْسٍ، فَقُلْتُ اِنَّ اَبَاکَ وَاللّٰهِ کَانَ خَیْرًا مِنْ اَبِیْ ——— رواه البخاری۔

(ترجمہ) حضرت ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادہ ابوبردہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر نے کہا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا بات کہی تھی؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں، انھوں نے کہا کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کہا تھا، کہ اے ابوموسیٰ! کیا تم اس پر خوش اور راضی ہو کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ اور آپ کے ہاتھ پر ہمارا اسلام لانا اور آپ کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، اور ہمارے وہ سارے اعمال جو ہم نے آپ کے ساتھ کئے وہ تو ہمارے لئے ثابت اور محفوظ رہیں (اور ان کا صلہ اور اجر ہم کو عطا فرمایا جائے) اور ہم نے جو اعمال آپ کے بعد کئے، ان سے ہم برابر سرابر پر چھٹی پا جائیں (یعنی حضورؐ کے بعد ہم نے جو اچھے یا بُرے عمل کئے ہیں، ان پر نہ ہم کو ثواب ملے اور نہ عذاب) ——— (عبداللہ بن عمر ابوبردہ سے کہتے ہیں کہ میرے والد کی یہ بات سن کر) تمہارے والد نے کہا، کہ نہیں! خدا کی قسم، میں تو یہ نہیں چاہتا۔ ہم نے رسول اللہ صلعم کے بعد جہاد کئے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور اللہ

کی توفیق سے) انکے علاوہ بھی بہت سے اعمالِ خیر کئے ہیں، اور ہماری کوششوں سے، اور ہمارے ہاتھوں پر اللہ کے بیشمار بندے مسلمان ہوئے ہیں، اور ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے اجر و صلہ کی پوری اُمید رکھتے ہیں (اسلئے میں تو آپکے خیال سے متفق نہیں ہوں) ـــــ اس پر میرے والد (حضرت عمر) نے پھر فرمایا، کہ قسم اُس ذاتِ پاک کی جسکے قبضہ میں عمر کی جان ہے، میں تو دل سے چاہتا ہوں، کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ کئے، وہ تو) ہمارے لئے ثابت رہیں، اور ہم کو اُن کا صلہ عطا کیا جائے، اور جو عمل ہم نے آپکے بعد کئے اُن سے ہم برابر سرابر پر چھٹی پا جائیں ـــــ (ابو بردہ کہتے ہیں، کہ) میں نے عبداللہ بن عمر سے کہا، کہ: خدا کی قسم! تمھارے والد (حضرت عمر) میرے والد (ابو موسیٰ) سے افضل تھے۔ (بخاری)

(**تشریح**) جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندہ کی اقتدا میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت کی اُمید کیجاتی ہے، اُسی طرح حضرت عمرؓ یقین کیساتھ اُمید رکھتے تھے، کہ رسول اللہ صلعم کیساتھ جو اعمالِ خیر نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کئے ہیں، وہ تو آنحضرتؐ کی معیت کی نسبت اور برکت سے ضرور ہی انشاءاللہ قبول ہونگے، لیکن جو اعمال حضورؐ کے بعد کئے گئے، چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے، اسلئے حضرت عمرؓ عام اہلِ معرفت کی طرح انکے انجام سے ڈرتے تھے، اور اپنی سلامتی و کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سرابر پر چھٹی مل جائے، نہ اُن پر عذاب نہ ثواب۔ ؎ طاعتِ ناقص ما موجبِ غفراں نشود ÷ راضیم گر مددِ علتِ عصیاں نشود

حدیث کے آخر میں ابو بردہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے جو یہ فرمایا، کہ خدا کی قسم! میرے والد سے تمھارے والد افضل تھے، بظاہر اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل تھے اسلئے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر اُن پر اس قدر زیادہ تھا۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت کی ایک روایت میں ان کا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے:
"وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ لِيْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَيْتُ بِهٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ اَرَاهُ"

(اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو، تو میں اللہ کے عذاب کے دیکھنے سے پہلے اُس سب کو فدیہ میں دے ڈالوں، اور اپنی جان چھڑا لوں)۔

اللہ اکبر! یہ ہے اس بندہ پر خوفِ خدا کا غلبہ جس نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے لئے جنت کی بشارتیں سُنی ہیں ـــــــ سچ کہا ہے کہنے والے نے:۔ "قربیاں را بیش بود حیرانی" اللہ تعالیٰ اس خوف و خشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

دنیا کی تحقیر اور مذمت

رقاق کے سلسلہ کی جو حدیثیں آگے درج کی جارہی ہیں، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تحقیر اور مذمت کی ہے، اور بتلایا ہے کہ اللہ کے نزدیک اور آخرت کے مقابلہ میں یہ دنیا کس قدر حقیر اور بے قیمت ہے ـــــــ چونکہ ہمارے اِس زمانہ میں دنیا کے ساتھ لوگوں کا تعلق اور شغف و انہماک حد سے بڑھ گیا ہے، اور خاص دنیوی اور مادّی ترقی کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، کہ غالباً اِس سے پہلے کبھی بھی اِس کو اہمیت کا یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوگا، اسلئے اب حالت یہ ہے کہ دنیا کی تحقیر اور مذمت کی بات بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی آسانی سے نہیں اُترتی، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو مسلمانوں کے رہنما اور مصلح سمجھے جاتے ہیں، اور دین کے لحاظ سے ان کا شمار عوام میں نہیں بلکہ خواص میں ہوتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کے تذکرہ کو بے تکلف "رہبانیت اور غلط تصوّف کی تبلیغ" کہہ دیتے ہیں اور جب اُن کے سامنے اس موضوع کی حدیثیں ذکر کی جائیں، تو منکرین حدیث کی طرح ان حدیثوں ہی کے بارہ میں وہ شکوک کا اظہار کرنے لگتے ہیں ـــــــ اسلئے اِس سلسلہ کی حدیثیں درج کرنے سے پہلے ہم بطورِ تمہید دنیا کی مسلّمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اِس مسئلہ پر کچھ اصولی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

دنیا اور آخرت :-

(۱) یہ دنیا جس میں ہم اپنی یہ زندگی گذار رہے ہیں، اور جس کو اپنی آنکھوں کانوں وغیرہ حواس سے محسوس کرتے ہیں، جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی جس کی اطلاع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے، وہ بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے، اور اپنی زندگی کے اس دور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہیں محسوس کرسکتے تھے، پھر جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی وہ ہزاروں لاکھوں چیزیں یہاں ہمارے مشاہدے میں آگئیں جن کا ہم ماں کے پیٹ میں تصور بھی نہیں کرسکتے تھے، اسی طرح مرنے کے بعد عالمِ آخرت میں پہونچ کر جنت و دوزخ کو اور اس عالم کی ان تمام چیزوں کو دیکھ لیں گے اور پالیں گے جن کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے ——— الغرض ہماری یہ دنیا جس طرح ایک حقیقی عالم ہے اسی طرح آخرت بھی مرنے کے بعد سامنے آجانے والا ایک حقیقی اور بالکل واقعی عالم ہے ——— ہمارا اس پر ایمان ہے اور نقل و عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارے میں الحمد للہ پورا وثوق اور اطمینان ہے۔

(۲) پھر دنیا کے بارے میں ہم کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے، بخلاف آخرت کے کہ وہ غیر فانی اور جاودانی ہے، اور وہاں پہونچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی بنا دیا جائے گا، یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی دوامی زندگی عطا فرما دی جاوے گی، اسی طرح وہاں اللہ کے سعید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی اُن کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا، اور کبھی منقطع نہ ہوگا، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ"[1] اور اسی طرح جن اشقیا کی بغاوت اور سرکشی اور کفر و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اُن پر ہوگا، اُن کی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں جا بجا فرمایا گیا ہے:-

---

[1] وہ عطاء خداوندی جس کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔ ۱۲

"خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا[1]" اور "وَمَا ھُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّارِ[2]" اور "لَا یُقْضٰی عَلَیْھِمْ[3] فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْھُمْ مِّنْ عَذَابِھَا"

اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی بتلائی ہوئی اس حقیقت پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کے مقابلہ میں آخرت کی لذتیں اور نعمتیں بے انتہا فائق ہیں، بلکہ اصلی لذتیں اور نعمتیں آخرت ہی کی ہیں، اور دنیا کی چیزوں کو اُن سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے، اسی طرح دنیا کی سخت سے سخت تکلیف اور بڑے سے بڑے دکھ کو دوزخ کے ہلکے سے ہلکے درجے کے عذاب سے بھی کوئی نسبت نہیں۔

ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی فکر و سعی بس آخرت ہی کے لئے ہو، اور دنیا سے اُس کا تعلق صرف ناگزیر ضرورت کے بقدر رہو۔

(۳) لیکن انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت اُن کے سامنے ہے اور آخرت سراسر غیب اور آنکھوں سے اوجھل ہے، اسلئے اکثر و بیشتر ان حقیقتوں کے ماننے والوں پر بھی دنیا ہی کی فکر و طلب غالب رہتی ہے، گویا یہ انسانوں کی ایک قسم کی فطری کمزوری ہے —— اُن کا حال اِس معاملہ میں بالکل اُن چھوٹے بچوں کا سا ہے جن کو بچپن میں اپنے کھیل کھلونوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اور مستقبل کی زندگی کو خوشگوار اور شاندار بنانے والے تعلیمی اور تربیتی مشاغل اُن کیلئے سب چیزوں سے زیادہ غیر دلچسپ بلکہ انتہائی شاق ہوتے ہیں، جن کے شفیق ماں باپ اُن کو سمجھا بجھا کر اُن اچھے کاموں کی طرف راغب کرتے رہتے ہیں جن میں لگ کر وہ کامیاب انسان بن سکتے ہیں، اور عزت و عافیت کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اُس کی نازل کی ہوئی کتابوں کے ذریعہ

---

[1] وہ ہمیشہ اُسی جہنم میں پڑے رہیں گے ۔۱۲

[2] وہ دوزخی کبھی بھی دوزخ سے نکل نہ سکیں گے ۔۱۲ [3] اور دوزخیوں کو موت بھی نہ آئے گی کہ مرکر ہی عذاب سے چھوٹ سکیں، اور اُن کے عذاب میں کبھی تخفیف بھی نہ کی جائے گی ۔۱۲

ہمیشہ انسانوں کی اس غلطی اور کمزوری کی اصلاح کی کوشش ہوتی رہی ہے، اور آخرت کے مقابل میں دنیا کا جو درجہ ہے، اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کا جو مقام ہے وہ واضح کیا جاتا رہا ہے، مگر انسانوں سے اس بارہ میں غالباً ہمیشہ بچوں والی غلطی ہوتی رہی ہے ——— "بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى"[1]

(۵) قرآن پاک چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روئے زمین کے انسانوں کیلئے آخری ہدایت نامہ ہے اسلئے اس میں اور بھی زیادہ زور اور اہمیت کے ساتھ جابجا مختلف عنوانات سے دنیا کی بے قیمتی اور ناپائداری کو اور آخرت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا گیا ہے:-

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔ (النساء ع-۱۱)	اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ دنیا کا نفع تو بہت ہی قلیل ہے، اور آخرت بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

کہیں ارشاد فرمایا گیا:-

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (الانعام ع-۴)	اور دنیا کی زندگانی کی حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ بس (چند دنوں کا) کھیل تماشا ہے، اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں (افسوس تم پر!) کیا تم اس بات کو سمجھتے نہیں۔

کہیں ارشاد ہوا:-

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ	یہ دنیوی زندگانی (اور یہاں کا سازوسامان) تو

---

[1] تمہارا حال یہ ہے کہ تم (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے بدرجہا) بہتر اور بہت زیادہ پائیدار ہے۔ یہ بات اگلی کتابوں میں بھی بیان ہوئی ہے، یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔۱۲

اِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ـــــ

(المومن ع ٥)

بس چند دنوں کے استعمال کیلئے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے ۔

کہیں فرمایا گیا :-

وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّ مَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

(الحدید ع ٣)

اور آخرت میں (مجرموں اور باغیوں کے لئے) سخت ترین عذاب ہے، اور (جو بندے رضا اور مغفرت کے لائق ہیں) اُن کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور رضا ہے ـــ اور یہ دنیوی زندگانی تو بس دھوکہ کا سرمایہ ہے ۔

(٦) الغرض اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل فلاح و بہبود کے مقام تک پہونچانے کے لئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے، اور اس سے زیادہ جی نہ لگائے، اور اس کو اپنا مقصود و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دوامی وطن یقین کرتے ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اس کی جو قدر و قیمت اور جو اہمیت ہے اُس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کو اپنی تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے، پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اُس کی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو، اور اُس کے دل کا رُخ آخرت ہی کی طرف ہو، اور "اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَۃِ"[1] اُس کے دل اور اُس کی روح کی صدا ہو۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور مجلسی ارشادات کے ذریعہ بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اور ایمان لانیوالوں کے دلوں پر اپنے عمل اور حال سے بھی اسکا نقش کرتے تھے۔

[1] اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے ۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث اس باب میں درج ہوں گی جن میں دنیا کی تحقیر اور مذمت کی گئی ہے، ان کا مطلب و مقصد اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

(۷) یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن و حدیث میں جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ آخرت کے مقابل والی دنیا ہے، اس لئے دنیا کے کاموں کی جو مشغولیت اور دنیا سے جو تمتع فکرِ آخرت کے تحت ہو اور آخرت کا راستہ اس سے کھوٹا نہ ہوتا ہو وہ مذموم اور ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تو جنت تک پہونچنے کا زینہ ہے۔

اس تمہیدی مضمون کو ذہن میں رکھ کر اب پڑھئے آگے درج ہونے والی اس سلسلہ کی حدیثیں!

آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت :-

(۲۵) عَنْ مُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ ــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) روایت ہے مستورد بن شداد سے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں بس ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے، اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا کہ دریا کے مقابلہ میں انگلی پر لگا ہوا پانی ــــــ اور در اصل یہ مثال بھی صرف سمجھانے کیلئے دی گئی ہے، ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے ــــــ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب محدود اور متناہی ہے، اور آخرت لامحدود اور لامتناہی ہے، اور ریاضی کا مسلم مسئلہ ہے کہ محدود و متناہی اور لا محدود اور غیر متناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی!

جب حقیقت یہ ہے، تو وہ شخص بڑا ہی محروم اور بہت ہی گھاٹے میں رہنے والا ہے جو دنیا کو حاصل کرنے کے لئے تو خوب جد و جہد کرتا ہے مگر آخرت کی تیاری کی طرف سے بے فکر اور بے پروا ہے۔

(۲۶) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهٗ بِدِرْهَمٍ؟ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ، قَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر بکری کے ایک بوچے[1] مردہ بچے پر ہوا جو راستے میں مرا پڑا تھا، اس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے ان سے آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی اس مرے ہوئے بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انھوں نے عرض کیا ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا، قسم ہے خدا کی کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مُردار بچہ ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بندوں کی ہدایت اور تربیت کا جو بے پناہ جذبہ رکھ دیا تھا، اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، آپ راستہ چل رہے ہیں، بکری کے ایک مُردار بچے پر آپ کی نظر پڑتی ہے، گھِن سے منھ پھیر کر نکل جانے کے بجائے آپ صحابہ کو متوجہ کر کے اس کی اس حالت سے ایک اہم سبق دیتے ہیں اور ان کو بتلاتے ہیں کہ یہ مُردار بچہ تمہارے نزدیک جس قدر حقیر و ذلیل ہے اسی قدر اللہ کے نزدیک دنیا حقیر و ذلیل ہے، اس لئے اپنی طلب و فکر کا مرکز اس کو نہ بناؤ، بلکہ آخرت کے طالب بنو۔

---

[1] یہ حدیث کے لفظ اَسَكّ کا ترجمہ ہے یعنی بن کانوں کا، خواہ خلقی طور پر اسکے کان نہ ہوں یا بہت چھوٹے ہوں، یا کٹے ہوئے ہوں، ان تینوں صورتوں کیلئے اَسَكّ کا لفظ بولا جاتا ہے، اور اردو میں ان ہی معنی کیلئے "بوچا" استعمال ہوتا ہے۔ ۱۲

(۲۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر برابر بھی ہوتی، تو کسی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یعنی خدا اور رسول کے نہ ماننے والوں، کافروں، منکروں کو دنیا سے جو کچھ مل رہا ہے (اور جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے خوب مل رہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا نہایت ہی حقیر اور بے قیمت چیز ہے، اگر اس کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، چنانچہ آخرت جس کی اللہ کے نزدیک قدر و قیمت ہے، وہاں کسی دشمن خدا کو ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت:۔

(۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ ـــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم)

(تشریح) قید خانہ کی زندگی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جب کھانے کو دیا گیا اور جو کچھ دیا گیا کھا لیا، جو پینے کو دیا گیا پی لیا، جہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا بیٹھ گیا، جہاں کھڑے ہونے کو کہا گیا بیچارہ کھڑا ہو گیا، الغرض قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی، بلکہ بیچارہ ناچار ہر

معاملے میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قیدخانہ کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا، اور اس کو اپنا گھر نہیں سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے ...... اور اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں جنتیوں کے لئے کوئی قانونی پابندی نہیں رہے گی، اور ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گذارے گا، اور اس کی ہر خواہش اور ہر آرزو پوری ہوگی، نیز لاکھوں برس گذرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے نہیں اکتائے گا، اور نہ کسی کے دل میں جنت سے نکلنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :۔

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَ	جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارا دل چاہے
تَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا	اور جس کے نظارہ سے تمہاری آنکھوں کو لذت
خَالِدُونَ (زخرف - ع - ۷)	و سرور حاصل ہو، اور تم اس میں ہمیشہ رہوگے

اور سورۂ کہف میں فرمایا گیا :۔

لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا	جنتی جنت سے کہیں اور منتقل ہونا نہ چاہیں گے

پس اس عاجز کے نزدیک اس حدیث میں ایمان والوں کو خاص سبق یہ دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں حکم و قانون کی پابندی کی قیدخانہ والی زندگی گذاریں، اور دنیا سے جی نہ لگائیں، اور یہ حقیقت پیش نظر رکھیں کہ اس دنیا کو اپنی جنت سمجھنا، اور اس سے اپنا دل لگانا، اور اس کے عیش کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنانا کافرانہ طریقہ ہے، پس یہ حدیث گویا ایک آئینہ بھی ہے، جس میں ہر مومن اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اگر اس کے دل کا تعلق اس دنیا کے ساتھ وہ ہے جو قیدخانہ کے ساتھ قیدی کا ہوتا ہے تو وہ پورا مومن ہے، اور اگر اس نے اس دنیا سے اپنا دل ایسا لگا لیا ہے کہ اس کو اپنا مقصود و مطلوب بنا لیا ہے، تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔

دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی، اسلئے آخرت کے طالب بنو۔

(۲۹) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهِ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَآثِرُوا مَا يَبْقَى عَلَى مَا يَفْنَى ـــــــ رواه احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا۔ اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا، پس (جب دنیا و آخرت میں سے ایک کو محبوب بنانے سے دوسرے کا نقصان برداشت کرنا لازم اور ناگزیر ہے، تو عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ) فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلہ میں، باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔

(مسند احمد شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا تو اس کی اصل فکر و سعی دنیا ہی کے واسطے ہوگی، اور آخرت کو یا تو وہ بالکل ہی پس پشت ڈال دے گا، یا اس کے لئے بہت کم جد و جہد کرے گا، جس کا نتیجہ بہر حال آخرت کا خسارہ ہوگا۔

اسی طرح جو شخص آخرت کو محبوب و مطلوب بنائے گا، اس کی اصل سعی و کوشش آخرت کے لئے ہوگی، اور وہ ایک دنیا پرست کی طرح دنیا کے لئے جد و جہد نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا زیادہ نہ سمیٹ سکے گا، پس صاحب ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی محبت اور چاہت کے لئے آخرت کو منتخب کرے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اور دنیا تو بس چند روز میں فنا ہو جانے والی ہے۔

اللہ سے تعلق کے بغیر یہ دُنیا لعنتی ہے :-

(۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ ــــــــــ رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اُس پر خدا کی پھٹکار ہے، اور اُس کے لئے رحمت سے محرومی ہے سوائے خدا کی یاد کے، اور اُن چیزوں کے جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے، اور سوائے عالم اور متعلّم کے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل کرنے والی یہ دنیا جس کی طلب اور چاہت میں بہت سے نادان انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جاتے ہیں، اپنی حقیقت اور اپنے انجام کے لحاظ سے ایسی ذلیل اور ایسی مردار ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اُس کے لئے کوئی حصّہ نہیں، البتہ اس دنیا میں اللہ کی یاد اور جن چیزوں کا اُس سے تعلق ہے، خاصکر علمِ دین کے حاملین اور متعلمین سو اُن پر اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی چیزیں اور وہی اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو، خواہ بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ لیکن جو چیزیں اور جو اعمال و اشغال اللہ سے اور دین سے بالکل بے تعلق ہیں (اور دراصل دنیا اُن ہی کا نام ہے) وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور اور محروم اور قابلِ لعنت ہیں۔ پس انسان کی زندگی اگر اللہ کی یاد اور اُسکے تعلق سے اور دین کے علم اور اسکے تعلّم سے خالی ہے، تو وہ رحمت کی مستحق نہیں، بلکہ لعنت کے قابل ہے۔

طالبِ دُنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا :-

(۳۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ مِنْ اَحَدٍ یَمْشِیْ عَلَی الْمَاءِ اِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاہُ ؟ قَالُوْا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ کَذٰلِکَ صَاحِبُ الدُّنْیَا لَا یَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ ــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔ کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں ؟ ــــــ عرض کیا گیا : حضرتؐ ! ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ اسی طرح دنیادار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ (شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) صاحب الدنیا (دنیادار) سے مراد وہی شخص ہے جو دنیا کو مقصود و مطلوب بنا کر اس میں لگے ایسا آدمی گناہوں سے کہاں محفوظ رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر بندہ کا حال یہ ہو کہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت ہو اور دنیا کی مشغولی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنائے، تو وہ شخص دنیادار نہ ہوگا، اور دنیا میں بظاہر پوری مشغولی کے باوجود وہ گناہوں سے محفوظ بھی رہ سکے گا۔ یہ مضمون بعض حدیثوں میں آگے صراحت سے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے :-

(۳۲) عَنْ قَتَادَۃَ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا حَمَاہُ الدُّنْیَا کَمَا یَظَلُّ اَحَدُکُمْ یَحْمِیْ سَقِیْمَہُ الْمَاءَ ــــــ رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) قتادہ بن نعمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے، تو دنیا سے اُس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے، (جبکہ اُس کو پانی سے نقصان پہونچتا ہو)۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، دنیا دراصل وہی ہے جو اللہ سے غافل کرے اور جس میں مشغول ہونے سے آخرت کا راستہ کھوٹا ہو، پس اللہ تعالیٰ جن بندوں سے محبت کرتا ہے، اور اپنے خاص انعامات سے اُن کو نوازنا چاہتا ہے اُن کو اس مردار دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جس طرح کہ ہم لوگ اپنے مریضوں کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔

اپنے کو مسافر، اور اس دنیا کو سرائے سمجھو:-

(۳۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ ــــــ

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں مونڈھے پکڑ کے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ:- دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پردیسی ہے، یا راستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یعنی جس طرح کوئی مسافر پردیس کو اور رہ گذر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا اور وہاں اپنے لئے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، اسی طرح مومن کو چاہئے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے، اور یہاں کی ایسی فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے، بلکہ اس کو ایک پردیس اور رہ گذر سمجھے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام انسانوں کو جیسا انسان بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی جو سیرت بنانا چاہتے ہیں، اُس کی اساس و بنیاد یہی ہے کہ آدمی اس

دنیوی زندگی کو بالکل عارضی اور چند روزہ زندگی سمجھے، اور موت کے بعد والی زندگی کو اصلی اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے، کہ گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے، اور گویا وہ اسی دنیا میں ہے ——— جن لوگوں نے یہ بات جس درجے میں اپنے اندر پیدا کر لی، اُن کی زندگی اور اُن کی سیرت اسی درجے میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور اُن کی منشاء کے مطابق ہوگئی، اور جو لوگ اپنے میں یہ بات پیدا نہیں کر سکے، اُن کی زندگی بھی وہ نہیں بن سکی ——— اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور مواعظ میں اس بنیاد پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

دنیا اور آخرت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ:-

(۳۴) عَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِي خُطْبَتِهِ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَاكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ وَّيَقْضِيْ فِيْهَا مَلِكٌ قَادِرٌ اَلَا وَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ اَلَا وَاِنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي النَّارِ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَاَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ عَلٰى حَذَرٍ وَّاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مَعْرُوْضُوْنَ عَلٰى اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ——— رواہ الشافعی۔

(ترجمہ) حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، اور اپنے اُس خطبہ میں ارشاد فرمایا، کہ:- سن لو، اور یاد رکھو کہ دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے، جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اسی لئے) اُس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے، اور سب اُس سے کھاتے ہیں، اور یقین کرو کہ آخرت مقرر وقت پر آنے والی ایک سچی اٹل

حقیقت ہے، اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شہنشاہ اسی میں (لوگوں کے اعمال کے
مطابق جزا اور سزا کا) فیصلہ کرے گا، یاد رکھو کہ ساری خیر اور خوشگواری اور اُس کی
تمام قسمیں جنّت میں ہیں، اور سارا شر اور دکھ اور اُس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں
______ پس خبردار خبردار (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے
وقت آخرت کے انجام کو پیشِ نظر رکھو) اور یقین کرو کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ
اللہ کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے، پس جس شخص نے ذرّہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی،
وہ اُس کو بھی دیکھ لے گا، اور جس نے ذرّہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُس کو بھی
پالے گا۔ (مسند امام شافعی)

(تشریح) انسان کی سب سے بڑی بدبختی اور سیکڑوں قسم کی بدکاریوں کی جڑ بنیاد یہ ہے
کہ وہ اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے فکر اور بے پروا ہو کر زندگی گذارے، اور دینی
نفسانی خواہشات اور اس دنیا کی فانی لذّتوں کو اپنا مقصد اور مطمحِ نظر بنالے ______ اور یہ
اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اور خدا اور آخرت آنکھوں
سے اوجھل ہیں، اس لئے انسانوں کو اس بربادی سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ اُن کے سامنے
دنیا کی بے حقیقتی اور بے قیمتی کو اور آخرت کی اہمیت اور برتری کو قوت کے ساتھ پیش کیا جائے،
اور قیامت میں خدا کے سامنے پیشی اور اعمال کی جزا و سزا کا اور جنّت و دوزخ کے ثواب و عذاب
کا یقین اُن کے دلوں میں اُتارنے کی کوشش کی جائے ______ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
اس خطبہ کا حاصل اور موضوع یہی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا، آپ کے اکثر خطبات اور مواعظ
میں یہی بنیادی مضمون ہوتا تھا۔

(تنبیہ) یہ بات بڑی خطرناک اور بہت تشویشناک ہے کہ دینی دعوت اور دینی وعظ و نصیحت
میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی اہمیت کا بیان اور جنّت و دوزخ کا تذکرہ جس طرح
اور جس ایمان و یقین اور جس قوت کے ساتھ ہونا چاہئے ہمارے اس زمانہ میں اس کا رواج بہت

کم ہوگیا ہے، گویا نہیں رہا ہے، اور دین کی تبلیغ و دعوت میں بھی اُسی طرح کی باتیں کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے جس قسم کی باتیں مادی تحریکوں اور دنیوی نظاموں کی دعوت و تبلیغ میں کیجاتی ہیں۔

دنیا سے نہ لپٹو آخرت کے طالب بنو:-

(۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰی اُمَّتِی الْھَوٰی وَطُوْلُ الْاَمَلِ فَاَمَّا الْھَوٰی فَیَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَیُنْسِی الْاٰخِرَۃَ وَھٰذِہِ الدُّنْیَا مُرْتَحِلَۃٌ ذَاھِبَۃٌ وَھٰذِہِ الْاٰخِرَۃُ مُرْتَحِلَۃٌ قَادِمَۃٌ وَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا بَنُوْنَ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تَکُوْنُوْا مِنْ بَنِی الدُّنْیَا فَافْعَلُوْا فَاِنَّکُمُ الْیَوْمَ فِیْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَاَنْتُمْ غَدًا فِیْ دَارِ الْاٰخِرَۃِ وَلَا عَمَلَ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- میں اپنی امّت پر جن بلاؤں کے آنے سے ڈرتا ہوں، اُن میں سب سے زیادہ ڈر کی چیزیں ہَوٰی اور طُولِ اَمَل ہے (ہَوٰی سے مراد یہاں یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے، اور طُولِ اَمَل یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارہ میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتلایا، اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی) کہ ہَوٰی تو آدمی کو قبولِ حق سے مانع ہوتی ہے (یعنی اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبولِ حق اور اتباعِ ہدایت سے محروم رہتا ہے) اور طُولِ اَمَل (یعنی لمبی لمبی آرزوؤں میں دل پھنس جانا) آخرت کو بھلا دیتا ہے اور اُس کی فکر اور اُس کے لئے تیاری سے غافل کر دیتا ہے (اس کے بعد آپ نے

ارشاد فرمایا کہ) یہ دنیا دمبدم چلی جارہی ہے، گذر رہی ہے (کہیں اس کا ٹھہراؤ اور مقام نہیں) اور آخرت (اُدھر سے) چل پڑی ہے، چلی آرہی ہے، اور ان دونوں کے بچے ہیں (یعنی انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی وابستگی بچوں کو اپنی ماں سے ہوتی ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبت بجائے دنیا کے آخرت سے ہے) پس اے لوگو! اگر تم کر سکو تو ایسا کرو کہ دنیا سے چمٹنے والے اس کے بچے نہ ہو (بلکہ اس دنیا کو دار العمل سمجھو) تم اس وقت دار العمل میں ہو (یہاں تمہیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اور یہاں حساب اور جزا سزا نہیں ہے، اور کل تم (یہاں سے کوچ کرکے) دار آخرت میں پہونچ جانے والے ہو، اور وہاں کوئی عمل نہ ہوگا (بلکہ یہاں کے اعمال کا حساب ہوگا اور ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پائے گا)۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُمّت کے بارے میں دو بڑی بیماریوں کا خوف اور خطرہ ظاہر فرمایا ہے، اور اُمّت کو اُن سے ڈرایا اور خبردار کیا ہے، ایک ہَویٰ، اور دوسرے طُولِ اَمَل ـــــ غور سے دیکھا جائے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی دو بیماریوں نے اُمّت کے بہت بڑے حصّے کو برباد کیا ہے، جو لوگوں میں خیالات اور نظریات کی گمراہیاں ہیں، وہ ہَویٰ کے مریض ہیں، اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ طُولِ اَمَل اور حُبِّ دنیا کے مرض میں گرفتار اور آخرت کی فکر اور تیاری سے غافل ہیں، اور علاج بس یہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں بیان فرمایا ـــــ یعنی اُن کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ یہ دنیوی زندگی فانی اور صرف چند روزہ ہے، اور آخرت ہی کی زندگی اصلی زندگی ہے، اور وہی ہمارا اصل مقام ہے ـــــ جب یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے گا تو خیالات اور اعمال دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔

دولت کی افراط کا خطرہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگاہی،

(۳۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،۔ میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے بارہ میں یہ ڈر ضرور ہے، کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انھوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کر دے، جیسے کہ اس نے ان اگلوں کو برباد کیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ تجربہ تھا کہ جب ان کے پاس دنیا کی دولت بہت زیادہ آئی، تو ان میں دنیوی حرص اور دولت کی رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی، اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے، اور اصل مقصد زندگی کو بھلا دیا، پھر اس کی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور بالآخر ان کی اس دنیا پرستی نے ان کو تباہ و برباد کر دیا ـــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے بارے میں اسی کا زیادہ ڈر تھا ـــــــ اس حدیث میں آپ نے از راہ شفقت امت کو اس خطرے سے آگاہ کیا ہے، اور فرمایا ہے، کہ تم پر فقر و ناداری کے حملے کا مجھے زیادہ ڈر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تم میں بہت زیادہ دولت مندی آجانے سے دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمہارے

ہلاک و برباد ہو جانے کا مجھے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔

آپ کے اِس ارشاد کا مقصد و مدعا اِس خوشنما فتنہ کی خطرناکی سے اُمّت کو خبردار کرنا ہے تاکہ ایسا وقت آنے پر اس کے بُرے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی وہ فکر کرے۔

اِس اُمّت کا خاص فتنہ دولت ہے:-

(۳۷) عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَّفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ ۔ ——————

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) کعب بن عیاض سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ ہر اُمّت کے لئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امّت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں (جو اب سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے) مال و دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہوگی، اور اس کی ہوس اتنی بڑھ جائے گی، کہ وہی اِس اُمّت کے لئے سب سے بڑا فتنہ ہوگا —— (قرآن مجید میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے) —— اور واقعہ یہ ہے کہ عہدِ نبوی سے لے کر ہمارے اِس زمانے تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اُسے صاف محسوس ہوگا کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی ہوس برابر بڑھتی رہی ہے اور بڑھتی ہی جا رہی ہے، اور بلاشبہ یہ ہی اِس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بے شمار بندوں کو خدا کی بغاوت و نافرمانی کے راستے پر ڈال کے اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ خدا بیزاری اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و معاش ہی کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دجّالی خیالات دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

حبِّ مال اور حبِّ جاہ دین کیلئے قاتل ہیں :-

(۳۸) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ ــــــــ رواہ الترمذی والدارمی۔

(ترجمہ) کعب بن مالک سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ وہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں، اُن بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے، جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال کی اور عزّت وجاہ کی حرص کرتی ہے۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حبِّ مال اور حبِّ جاہ آدمی کے دین کو اور اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو اس سے زیادہ نقصان پہونچاتے ہیں، جتنا کہ بکریوں کے کسی ریوڑ میں چھوٹے ہوئے بھوکے بھیڑیے ان بکریوں کو نقصان پہونچا سکتے ہیں۔

مال کی اور دنیا کی محبّت بڑھاپے میں بھی جوان رہتی ہے :-

(۳۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ فِيْهِ اِثْنَتَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے (اور بڑھاپے کے اثر سے اس کی ساری قوتیں مضمحل ہو کر کمزور پڑ جاتی ہیں) مگر اس کے نفس کی دو خصلتیں اور زیادہ جوان اور طاقت ور ہوتی رہتی ہیں ــــــ ایک دولت کی حرص، اور

دوسری زیادتی عمر کی حرص۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسانوں کا عام حال یہی ہے، اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے نفس میں بہت سی ایسی غلط خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جو اسی وقت پوری ہوتی ہیں جبکہ اس کے ہاتھ میں دولت ہو، اور زندگی اور توانائی بھی ہو، اور ان خواہشوں کی مضرتوں اور بربادیوں سے انسان کو بچانا "پاسبانِ عقل" کا کام ہے، مگر بڑھاپے کے اثر سے جب بیچاری یہ عقل بھی مضمحل اور کمزور پڑ جاتی ہے، تو ان خواہشات پر اپنا قابو اور کنٹرول رکھنے سے مجبور ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں بہت سی خواہشیں "ہوس" کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں، اور اس کی وجہ سے عمر کی زیادتی کے ساتھ مال و دولت کی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی حرص اور چاہت اور زیادہ ترقی کرتی رہتی ہے کہنے والے نے صحیح کہا ہے:۔ ؎

بیخ ہائے خوئے بد محکم شدہ قوتِ برکندنِ آں کم شدہ

لیکن یہ حال عوام کا ہے، اللہ کے جن بندوں نے اس دنیا اور اس کی خواہشوں کی حقیقت اور اس کے انجام کو سمجھ لیا ہے، اور اپنے نفسوں کی تربیت کر لی ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيْرِ شَابًّا فِي اثْنَيْنِ فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَطُوْلِ الْأَمَلِ ــــ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے ایک تو دنیا کی محبت، اور دوسری لمبی لمبی تمنائیں۔

(تشریح) جیسا کہ پہلی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا، عام انسانوں کا حال یہی ہے لیکن جن بندگانِ خدا کو خود شناسی اور خدا شناسی اور دنیا و آخرت کے بارے میں صحیح علم و یقین

نصیب ہو، اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بجائے حبِّ دنیا کے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس فانی دنیا کی آرزوؤں کی جگہ رضاء الٰہی اور نعمائے اُخروی کا اشتیاق اور اس کی تمنا بڑھاپے میں بھی ان کے دل میں مسلسل بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہے، اور ان کی عمر کا ہر اگلا دن پہلے دن کے مقابلے میں اس پہلو سے بھی ترقی کا دن ہوتا ہے۔

دولت میں اضافے کی حرص کسی حد پر ختم نہیں ہوتی :-

(۴۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ ــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے ہوئے دو میدان اور دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا اور چاہے گا، اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا (یعنی مال و دولت کی اس ختم نہ ہونے والی ہوس اور بھوک کا خاتمہ بس قبر میں جاکر ہوگا) اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رخ اور اپنی توجہ اس کی طرف کرلے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی زیادہ حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے اگر دولت سے اُن کا گھر بھی بھرا ہو، اور جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھی پٹے پڑے ہوں، تب بھی اُن کا دل قانع نہیں ہوتا، اور وہ اس میں اور زیادتی اور اضافہ ہی چاہتے ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک اُن کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، اور بس قبر ہی میں جاکر دولت کی اس بھوک اور ننانوے کے اس پھیر سے اُن کو چھٹکارا ملتا ہے ــــــ البتہ جو بندے

دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اپنے دل کا رُخ اللہ کی طرف کرلیں، اور اُس سے تعلق جوڑلیں، اُن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اور اُن کو اللہ تعالیٰ اِس دنیا ہی میں اطمینانِ قلب اور غنائے نفس نصیب فرما دیتا ہے، اور پھر اس دنیا میں بھی اُن کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے سکون سے گزرتی ہے۔

طالب آخرت کا قلب مطمئن رہتا ہے، اور طالب دنیا کا دل پراگندہ اور غیر مطمئن:-

(۴۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ نِيَّتُهٗ طَلَبَ الْاٰخِرَةِ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ وَجَمَعَ لَهٗ شَمْلَهٗ وَاَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهٗ طَلَبَ الدُّنْيَا جَعَلَ اللّٰهُ الْفَقْرَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَتَّتَ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَلَا يَاتِيْهِ مِنْهَا اِلَّا مَا كُتِبَ لَهٗ ــــــــ ــــــ رواہ الترمذی ورواہ احمد والدارمی عن ابان عن زید بن ثابت۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کی نیت اور اُس کا مقصدِ اصلی اپنی سعی وعمل سے آخرت کی طلب ہو، تو اللہ تعالیٰ غنا (قلبی اطمینان، اور مخلوق کی نا محتاجی کی کیفیت) اُس کے دل کو نصیب فرما دیں گے، اور اُس کے پراگندہ حال کو درست فرما دیں گے، اور دنیا اُس کے پاس خود بخود ذلیل ہوکر آئے گی، اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی وعمل سے جس کا خاص مقصد دنیا طلب کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اُس کی بیچ پیشانی میں اور اُس کے چہرے پر پیدا کر دیں گے، اور اُس کے حال کو پراگندہ کر دیں گے (جس کی وجہ سے اُس کو خاطر جمعی کی راحت کبھی نصیب نہ ہوگی) اور (ساری تگ ودو کے بعد بھی) یہ دنیا اُس کو بس اُتنی قدر ملے گی جس قدر اُس کے واسطے پہلے سے

مقدر ہو چکی ہوگی۔

(اس حدیث کو حضرت انسؓ سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام احمد اور دارمی نے اس حدیث کو ابان کی روایت سے حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے آخرت کی فلاح ہی کو اپنا اصل مطلوب و مقصود بنا لیتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بارے میں اس کو قناعت نصیب فرما کر اس کے دل کو طمانیت اور جمعیت خاطر نصیب فرما دی جاتی ہے، اور دنیا میں سے جو کچھ اس کے لئے مقدر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی راستہ سے خود اس کے پاس آجاتا ہے ــــــ اور اس کے برعکس جو شخص دنیا کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنا لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ محتاجی اور پریشان حالی اس پر اس طرح مسلط کر دیتا ہے کہ دیکھنے والوں کو اس کے چہرے پر، اور اس کی پیشانی میں اس کے آثار نظر آتے ہیں اور دنیا کی طلب میں خون پسینہ ایک کر دینے کے بعد بھی اس طالب دنیا کو بس وہی ملتا ہے، جو پہلے ہی سے اس کے لئے مقدر ہے ــــــ پس جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو بندہ کو چاہئے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے، اور دنیا کو بس ایک عارضی اور وقتی ضرورت سمجھ کر اس کی صرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کہ کسی عارضی وقتی چیز کی فکر ہونی چاہئے۔

دولت میں بندے کا واقعی حصہ کیا ہے؟:-

(۳۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِي مَالِي وَإِنَّ مَالَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلٰثٌ مَا أَكَلَ فَأَفْنٰى أَوْ لَبِسَ فَأَبْلٰى أَوْ أَعْطٰى فَاقْتَنٰى وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ ــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اُس کے مال میں سے جو واقعی اُس کا ہے، وہ بس تین مدیں ہیں، ایک وہ جو اُس نے کھا کے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پُرانا کر ڈالا، اور تیسرے وہ جو اُس نے راہِ خدا میں دیا اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسرے لوگوں کے لئے اُس کو چھوڑ جانے والا ہے، اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جانے والا ہے۔ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کے کمائے ہوئے اور جوڑے ہوئے مال میں سے واقعۃً اور حقیقۃً اُس کا بس وہی ہے جو اُس نے کھانے پہننے کی ضروریات میں یہاں اپنے اوپر خرچ کر لیا، یا راہِ خدا میں دے کے آخرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع کر دیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ درحقیقت اُس کا نہیں ہے، بلکہ اُن وارثوں کا ہے جن کے لئے وہ اس کو چھوڑ جانے والا ہے۔

(۴۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِ وَارِثِهٖ قَالَ فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ ـــــــ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- تم میں سے کون ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو؟ (یعنی اپنے ہاتھ میں مال آنے سے زیادہ محبوب جس کو اپنے وارثوں کے ہاتھ میں مال آنا ہو؟) لوگوں نے عرض کیا:- ہم میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اُس کو اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب اپنا ہی

مال ہے (یعنی ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی یہ چاہت ہو کہ مال اُس کو نہ ملے، بلکہ اُس کے وارثوں کو ملے) آپ نے فرمایا:۔ جب یہ بات ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اُس نے آگے چلتا کر دیا، اور جس قدر اُس نے بعد کے لئے رکھا وہ اُس کا نہیں ہے، بلکہ اُس کے وارثوں کا ہے۔ (لہذا دانش مند آدمی کو چاہئے کہ وارثوں کے لئے چھوڑنے سے زیادہ فکر، اپنی آخرت کے لئے سرمایہ محفوظ کر دینے کی کرے، جس کی صورت یہی ہے کہ سیلنٹ سینٹ کے گھر میں رکھنے کے بجائے خیر کے مصارف میں صرف بھی کرتا رہے)

(صحیح بخاری)

(۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ یَبْلُغُ بِهٖ قَالَ اِذَا مَاتَ الْمَیِّتُ قَالَتِ الْمَلٰئِکَةُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ بَنُوْ آدَمَ مَا خَلَّفَ ـــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ جب مرنے والا مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا (یعنی کیا اعمالِ خیر کئے، اور اپنی آخرت کے لئے اللہ کے خزانے میں کیا سرمایہ جمع کیا ہے) اور عام انسان آپس میں کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے کتنا مال چھوڑا؟۔

(شعب الایمان للبیہقی)

دولت کے بندے خدا کی رحمت سے محروم :۔

(۴۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ ـــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ: بندۂ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہو، اور بندۂ درہم خدا کی رحمت سے دور رہے۔ (ترمذی)

(تشریح) جو لوگ مال و دولت اور روپیہ پیسہ درہم کے پرستار ہیں اور انھوں نے دولت ہی کو اپنا معبود اور محبوب و مطلوب بنا لیا ہے اس حدیث میں ان سے بیزاری کا اعلان اور ان کے حق میں بد دعا ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے محروم اور دور رہیں۔

مال و دولت کی پرستش اور بندگی یہ ہے کہ اس کی چاہت اور طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو کہ اللہ کے احکام اور حلال و حرام کی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔

حضورؐ کا ارشاد، کہ مجھے تجارت اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے

(۴۷) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ٥ ——— رواہ فی شرح السنۃ

(ترجمہ) جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے، وہ بطریق ارسال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے اس کی وحی نہیں کی گئی، اور یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال و دولت جمع کروں، اور تجارت و سوداگری کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بناؤں ——— بلکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید

---

[1] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نقل کرتے ہیں، اور جن صحابی کے ذریعہ سے وہ حدیث ان کو پہونچی ہوتی ہے ان کا ذکر نہیں کرتے، ایسی حدیث مرسل کہلاتی ہے، اور تابعی کے اس طرح حدیث بیان کرنے کو "ارسال" کہتے ہیں ۱۲۔

میں مشغول رہو اور ہو جا اللہ کے حضور میں جھکنے والوں اور گرنے والوں میں سے اور کئے جا بندگی اپنے پروردگار کی موت آنے تک۔ (شرح السنہ)

(تشریح) جن کو شریعت کے اصول و احکام کا کچھ علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ تجارت اور اس کے ذریعہ دولت کمانا ناجائز نہیں ہے، اور شریعت کے احکام کا ایک بڑا حصہ تجارت وغیرہ مالی معاملات سے بھی متعلق ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان تاجروں کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، جو امانت داری، راستبازی اور دیانتداری کے ساتھ تجارت کرتے ہوں ـــــ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خاص مقام تھا اور جو کام اللہ تعالیٰ کو آپ سے لینا تھا، اُس میں تجارت جیسے کسی جائز معاشی مشغلے میں بھی مشغول ہونے کی گنجائش نہ تھی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت اور توکل کا وافر سرمایہ دے کر اس فکر سے فارغ بھی فرمادیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ مجھے تو اُن ہی کاموں میں اپنے کو لگانا ہے جن کا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے، میرا کام تجارت اور دولت اندوزی نہیں ہے۔

آپ کے اُمتیوں میں بھی اللہ کے جو بندے خالص متوکلانہ طرز زندگی کو اپنے لئے پسند کریں، اور اس راستے کے شدائد و مصائب پر صبر کی ہمت رکھتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی دولت اُن کو میسر ہو، تو اُن کیلئے بھی بلاشبہ یہی افضل ہے، لیکن جن کا یہ حال نہ ہو، اُن کو کسی جائز معاشی مشغلہ کا اختیار کرنا خاصکر ہمارے اس زمانہ میں ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی پیشکش، اور آپ کی فقر پسندی:-

(۴۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي لِيَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّ

وَلٰكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوْعُ يَوْمًا فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَإِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ ـــــ رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لئے وہ مکہ کی وادی کو (یا اس کے سنگریزوں کو) سونا بنا دے، اور سونے سے بھر دے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے سامنے یہ بات رکھی گئی، کہ اگر تم دولت مند بننا چاہو، تو تمہارے لئے مکہ کی وادی کو ہم سونے سے بھر سکتے ہیں) تو میں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! میں اپنے لئے یہ نہیں مانگتا، بلکہ میں ایسی ناداری اور غریبی کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہوں، کہ ایک دن پیٹ بھر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، تو جب مجھے بھوک لگے تو آپ کو یاد کروں، آپ کے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کروں، اور جب آپ کی طرف سے مجھے کھانا ملے اور میرا پیٹ بھرے، تو میں آپ کی حمد اور آپ کا شکر کروں۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ کی جس حالت میں زندگی گذاری، وہ اپنے لئے خود آپ نے پسند کی تھی، اور اپنے اللہ سے آپ نے اس کو خود مانگا تھا۔ (آپ کی معیشت سے متعلق حدیثیں عنقریب ہی مستقل عنوان کے تحت درج کی جائیں گی)۔

سب سے زیادہ قابلِ رشک بندہ:۔

(۴۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ أَغْبَطُ أَوْلِيَائِي عِنْدِي لَمُؤْمِنٌ خَفِيفُ الْحَاذِ ذُوْ حَظٍّ مِنَ الصَّلٰوةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَطَاعَهُ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ

لَا یُشَارُ اِلَیْہِ بِالْاَصَابِعِ وَکَانَ رِزْقُہٗ کَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰی ذَالِکَ ثُمَّ نَقَدَ بِیَدِہٖ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِیَّتُہٗ قَلَّتْ بَوَاکِیْہِ قَلَّ تُرَاثُہٗ۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابلِ رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے، جو سبک بار (یعنی دنیا کے سازوسامان اور مال وعیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو، نماز میں اُس کا بڑا حصّہ ہو، اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفتِ احسان کے ساتھ کرتا ہو، اور اُس کی اطاعت و فرمانبرداری اُس کا شعار ہو، اور یہ سب کچھ اخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو، اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں، اور اُس کی روزی بھی بقدرِ کفاف ہو، اور وہ اس پر صابر و قانع ہو ——— پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہارِ تعجب یا اظہارِ حیرت کے لئے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آگئی اُس کو موت، اور اُس پر رونے والیاں بھی کم ہیں، اُس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے الوان و احوال مختلف ہیں، لیکن اُن میں بہت زیادہ قابلِ رشک زندگی اُن اہلِ ایمان کی ہے، جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے سازوسامان اور مال وعیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے، اگر نماز اور عبادات میں اُن کا خاص حصّہ، اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہ آتے جاتے کوئی اُن کی طرف انگلی اٹھا کے نہیں کہتا

کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں۔ اور ان کی روزی بس بقدرِ کفاف، لیکن وہ اس پہ دل سے صابر و قانع ــــــــ جب موت کا وقت آیا، تو ایک دم رخصت، نہ پیچھے زیادہ مال و دولت، اور نہ جائداد و مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے، اور نہ زیادہ اُن پر رونے والیاں۔

بلاشبہ بڑی قابلِ رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی، اور الحمد للہ کہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں ہے۔

خوش حالی چاہنے والی بیوی کو ابو الدرداءؓ کا جواب :۔

(۵۰) عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِاَبِی الدَّرْدَاءِ مَا لَكَ لَا تَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ اِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَئُوْدًا لَا يَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ فَاُحِبُّ اَنْ اَتَخَفَّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ ــــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابو الدرداءؓ کی بیوی ام الدرداء سے روایت ہے کہ میں نے ابو الدرداء سے کہا کہ:۔ کیا بات ہے، تم مال و منصب کیوں نہیں طلب کرتے، جس طرح کہ فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ :۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ :۔ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گذار گھاٹی ہے، اُس کو گراں بار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کرسکیں گے۔ اسلئے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اُس گھاٹی کو عبور کرنے کے لئے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے میں اپنے لئے مال و منصب طلب نہیں کرتا)۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر دورِ حیات میں، اور آپ کے بعد
خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ مختلف راہوں سے اموال
آتے تھے، اور طالبین اور اہلِ حاجت کو تقسیم کئے جاتے تھے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو
خاص خدمات اور مناصب پر مقرر کیا جاتا تھا، اور ان کو اس خدمت اور کارکردگی پر وظیفہ
ملتا تھا، جس سے ان کا گذارہ آسان ہو جاتا تھا ——— لیکن بعض صحابہ کرامؓ اس
زمانہ میں بھی فقر و فاقہ کی زندگی ہی کو اپنے لئے پسند کرتے تھے، ان ہی میں سے حضرت ابو الدرداءؓ
بھی تھے، وہ آخرت کے محاسبہ اور محشر کی تکلیفوں اور سختیوں سے امن اسی میں سمجھتے تھے کہ
دنیا سے کم سے کم حصہ لیا جائے، اور بس کسی طرح زندگی بسر ہو جائے ——— رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتلایا تھا کہ آخرت کی دشوار گذار گھاٹیوں کو وہی لوگ آسانی سے
عبور کر سکیں گے جو دنیا میں ہلکے پھلکے رہیں گے، اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ
لادلیں گے، وہ آسانی سے ان گھاٹیوں کو پار نہ کر سکیں گے۔

موت اور افلاس میں خیر کا پہلو:—

(۱۵) عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
اِثْنَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ
مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ —

(رواہ احمد)

(ترجمہ) محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا:— دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں
اس کے لئے بڑی بہتری ہوتی ہے) ایک تو وہ موت کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ
موت اس کے لئے فتنے سے بہتر ہے، اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو

نہیں پسند کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے گھبراتا ہے اور ان سے بچنا چاہتا ہے، حالانکہ موت اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے، کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا کے دین سوز فتنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے، اور مال و دولت کی کمی اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور مفلسوں کو آخرت میں بہت مختصر حساب دینا ہوگا، اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے ——— جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو، یا کسی عزیز قریب کی موت کا صدمہ اس کو پہنچا ہو تو اس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین اور تسلی حاصل کر سکتا ہے۔

عفیف اور عیالدار مفلس بندہ اللہ کا محبوب ہے :-

(۵۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِيَالِ ——— رواه ابن ماجه۔

(ترجمہ) عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ مومن بندہ بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیال دار ہو، اور اس کے باوجود باعفت ہو (یعنی ناجائز طریقے سے پیسہ حاصل کرنے سے اور کسی کے سامنے اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہو)۔

(تشریح) بلاشبہ جو شخص افلاس اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی محرمات و مشتبہات

سے اپنی حفاظت کرے، اور اپنی تنگ حالی کا اظہار بھی نہ کرے، وہ بڑا باہمت اور اللہ کا پیارا بندہ ہے۔

جو بندگانِ خدا اس دنیا میں تنگ حالی و ناداری میں مبتلا کئے گئے ہیں اور غریبی اور فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے ہیں، کاش! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں سے تسلی اور سبق حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) والی جو فقیرانہ و غریبانہ زندگی نصیب فرمائی ہے، اس کو اپنے حق میں نعمت سمجھ کر صابر و شاکر رہیں، تو فقر و فاقہ کی تکلیفیں ہی اُن کے لئے سامانِ راحت و لذت بن جائیں۔

اپنی بھوک اور حاجتمندی کو لوگوں سے چھپانے والے کیلئے اللہ کا وعدہ:۔

(۵۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ اَوِ احْتَاجَ فَکَتَمَہُ النَّاسَ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ یَّرْزُقَہُ رِزْقَ سَنَۃٍ مِّنْ حَلَالٍ۔——

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص بھوکا ہو، یا اُس کو کوئی اور خاص حاجت ہو، اور وہ اپنی اس بھوک اور حاجت کو لوگوں سے چھپائے (یعنی اُن کے سامنے ظاہر کرکے اُن سے سوال نہ کرے) تو اللہ عز و جل کے ذمہ ہے، کہ اس کو حلال طریقے سے ایک سال کا رزق عطا فرمائے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنا یہ دستور مقرر فرمالیا ہے، اور جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اور اُنکی شانِ کریمی پر

دل کے پورے یقین کے ساتھ اس کا تجربہ کرے گا، انشاء اللہ وہ اس کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

زُہد اُور اُسکے ثمرات و برکات

زُہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں، اُور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کے لئے دنیا کے لذائذ و مرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اُور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اُور اپنے ارشادات میں بھی اُمت کو زہد کی بڑی ترغیب دی ہے، اور اس کے بہت کچھ دنیوی و اخروی ثمرات و برکات بیان فرمائے ہیں۔

زہد اختیار کرو، اللہ کے، اُور بندوں کے، محبوب بن جاؤ گے :-

(۵۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ قَالَ اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْ مَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اُور عرض کیا :- یا رسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتلائیے کہ جب میں اُس کو کروں، تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے، اُور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں ـــــ آپ نے فرمایا کہ :- دنیا کی طرف سے اعراض اُور بے رغبتی اختیار کر لو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اُور جو (مال وجاہ) لوگوں کے پاس ہے اُس سے اعراض اُور بے رغبتی اختیار کر لو، تو

مِنْهُ فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ ـــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ اور ابو خلادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب تم کسی بندہ کو اس حال میں دیکھو کہ اُس کو زہد، یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی و بے رُخی اور کم سخنی (یعنی لغو اور فضول باتوں سے زبان کو محفوظ رکھنے کی صفت) اللہ نے نصیب فرمائی ہے، تو اُس کے پاس اور اُس کی صحبت میں رہا کرو، کیونکہ جس بندے کا یہ حال ہوتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کا القا ہوتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حکمت کے القا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور اُس کی زبان سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو صحیح اور نافع ہوتی ہیں، اسلئے اُسکی صحبت کیمیا اثر ہوتی ہے ـــــ قرآن مجید میں حکمت کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ:-

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ جس کو حکمت عطا کی جائے، اُس کو خیر کثیر عطا کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے زاہد بندوں کو نقد صلہ:-

(۵۶) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا إِلَّا أَنْبَتَ اللهُ الْحِكْمَةَ فِي قَلْبِهِ وَأَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهُ وَبَصَّرَهُ عَيْبَ الدُّنْيَا وَدَاءَهَا وَدَوَاءَهَا وَأَخْرَجَهُ مِنْهَا سَالِمًا إِلَى دَارِ السَّلَامِ ـــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ :- جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا کی رغبت و چاہت اپنے دل سے نکال دے، اور اس کی خوش عیش و خوش باشی کی طرف سے بے رغبتی اور بے رخی اختیار کرلے) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت کو اگائے گا اور اس کی زبان پر بھی حکمت کو جاری کرے گا، اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور پھر اس کا علاج معالجہ بھی اس کو آنکھوں سے دکھائے گا، اور دنیا سے اس کو سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچا دے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اوپر کی حدیث سے بھی معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص زہد اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکمت القاکی جاتی ہے، حضرت ابو ذر غفاریؓ کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح معلوم ہوئی، اس حدیث میں :-

اَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِيْ قَلْبِهٖ — اللہ اس کے دل میں حکمت اگاتا ہے

کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے، وہ گویا اسی حکمت کی تفصیل و تشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں پہلا نقد صلہ یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں حکمت اور معرفت کا تخم ڈال دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے نشو و نما پاتا رہتا ہے، اور ترقی کرتا رہتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انکی زبانوں سے حکمت ہی کا چشمہ جاری رہتا ہے، اور دنیا کے عیوب و امراض گویا ان کو آنکھوں سے دکھا دیئے جاتے ہیں، اور ان کے علاج معالجہ میں بھی ان کو خاص بصیرت عطا ہوتی ہے ——
اور دوسرا خاص انعام ان بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان اور تقویٰ کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھاتا ہے، اور وہ اس فانی دنیا سے نکال کر جاودانی عالم میں یعنی دار السلام جنت میں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

خاصانِ خدا عیش و تنعم کی زندگی نہیں گذارتے :۔

(۵۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ اِلَی الْیَمَنِ قَالَ اِیَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ ــــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا، تو نصیحت فرمائی، کہ :۔ معاذ! آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا۔ اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔ (مسند احمد)

(تشریح) دنیا میں آرام و راحت اور خوش عیشی کی زندگی گذارنا اگرچہ حرام اور ناجائز نہیں ہے، لیکن اللہ کے خاص بندوں کا مقام یہی ہے کہ وہ دنیا میں تنعم کی زندگی اختیار نہ کریں۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ

جب کسی بندہ کو شرح صدر کی دولت نصیب ہوتی ہے، تو اُس کی زندگی میں دنیا سے بے رغبتی، اور آخرت کی فکر نمایاں ہو جاتی ہے :۔

(۵۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ" فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ اِنْفَسَحَ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عَلَمٍ یُعْرَفُ بِهٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَافِیْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ

لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ ——— رواه البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ "فمن یرد اللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو اپنی راہ پر لگائے اور اپنی رضا اور اپنا قرب نصیب فرمائے۔ تو کشادہ کر دیتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے یعنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی کے لئے اُس کا دل کھول دیا جاتا ہے) یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد اس کی تفصیل اور تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:۔ نور جب سینہ میں آتا ہے تو سینہ اس کی وجہ سے کھل جاتا ہے ——— عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ کیا اس حالت کی کوئی علامت بھی ہے جس سے اس کو پہچانا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ ہاں! دنیا جو دھوکے فریب کی جگہ ہے اس سے طبیعت کا ہٹ جانا اور اچاٹ ہوجانا (یعنی زندگی میں زہد کی صفت آجانا) اور آخرت جو ہمیشہ قیام کی جگہ ہے، طبیعت کا اُس کی طرف رجوع ہو جانا، اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری میں لگ جانا (یعنی توبہ و استغفار، اور معاصی سے اجتناب، اور عبادت کی کثرت کے ذریعہ موت کی تیاری کرنا)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو اپنی خاص عبدیت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک خاص نور اور جذبۂ ربانی پیدا کر دیتا ہے، جس سے اس کا سینہ عبدیت والی زندگی کے لئے کھل جاتا ہے، اور پھر اس کے نتیجہ میں دنیا سے بے رغبتی و بے رخی اور آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کی لقا اور جنت کا شوق اور اُس کی تیاری یہ ساری چیزیں اُس کی زندگی میں اُبھر جاتی ہیں، اور ان کے ذریعہ اس بات کو جانا جا سکتا ہے کہ اس بندہ کو وہ خاص نور نصیب ہوگیا، اور جذبۂ ربانی اسکے دل میں ڈال دیا گیا ہے۔

اس اُمّت کے صلاح کی بنیاد یقین اور زہد ہے :-

(۵۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ ـــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) روایت ہے عمرو بن شعیب سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے، اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :- اس امت کی پہلی نیکی اور بہتری یقین اور زُہد ہے اور اس کی پہلی خرابی بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اس امت کی صلاح و فلاح اور اسکے کمالات و ترقیات کی بنیاد اس کی دو صفتیں تھیں، ایک یقین اور دوسری زہد، اور جب اُمّت میں بگاڑ شروع ہوگا، تو سب سے پہلے یہ ہی دو صفتیں اس میں سے جائیں گی، اور ان کی ضد بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو آئے گی، اور اس کے بعد خرابیوں اور برائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا، اور اُمّت برابر گرتی ہی چلی جائے گی۔

شارحین نے جیسا کہ لکھا ہے :- اس حدیث میں یقین سے مراد خاص اس حقیقت کا یقین ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے، اور جو اچھی یا بُری حالت کسی پر آتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے اور اللہ کے فیصلہ سے آتی ہے[1] ـــــ اور زہد کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں آتا ہے "اللھم انی اسئلک ایمانا دائما یباشر قلبی و یقینا صادقا حتی اعلم انہ لا یصیبنی الا ما کتبت لی" اور ایک اور دعا کے الفاظ ہیں "اللھم اقسم لنا من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا" ان دونوں دعاؤں میں بھی یقین کا یہی مطلب ہے۔۱۲

معلوم ہو چکا ہے یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگایا جائے، اور اس کی ناپائیدار لذتوں اور راحتوں کو مطلوب ومقصود نہ بنایا جائے، اور اس یقین اور زہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد آدمی اللہ کے راستے میں اور اعلیٰ مقاصد کے لئے جان ومال خرچ کرنے میں بخل نہیں کرتا، یعنی صاحب یقین اور زاہد کے لئے کسی اچھے مقصد کے لئے، اور اللہ کی راہ میں، زیادہ سے زیادہ مال خرچ کر دینا اور خطرات میں کود پڑنا آسان ہو جاتا ہے، اور یہی مومن کی ساری ترقیوں کی کنجی ہے ——— اور جب مومن ان صفات سے خالی ہو جائے، یعنی بجائے اللہ پر یقین کے اس کا یقین اپنے مال پر ہو جائے، اور وہ سمجھنے لگے کہ اگر مال میرے پاس ہوگا تو زندگی اچھی گذرے گی، اور مال نہ ہوگا تو میں تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤں گا، تو اس میں ضرور بخل پیدا ہو جائے گا، اور اسی طرح جب زہد کی صفت اس میں نہ رہے گی اور دنیا اس کی مطلوب ومقصود بن جائے گی تو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی خواہش لازماً اس کے دل میں پیدا ہو جائے گی جس کو حدیث میں اَمَل سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ بخل اور اَمَل پیدا ہو جانے کے بعد مومن اپنے اصل مقام سے گرتا ہی چلا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی خاص غرض وغایت اور اس میں امت کے لئے خاص ہدایت یہ ہے کہ امت کی صلاح وفلاح کے لئے ضروری ہے کہ اس میں یقین اور زہد کی صفات پیدا کرنے کی، اور ان ایمانی صفات کی حفاظت کی پوری فکر اور جد وجہد کی جائے، اور بخل اور اَمَل (یعنی دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو) جیسی غیر ایمانی صفات سے اپنے قلوب کی حفاظت کی جائے، امت کی صلاح وفلاح اسی سے وابستہ ہے۔

زہد کیا ہے، اور کیا نہیں ہے:۔

(۶۰) عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّهَادَةُ

فِی الدُّنْیَا لَیْسَتْ بِتَحْرِیْمِ الْحَلَالِ وَلَا بِإِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰکِنَّ الزَّهَادَةَ فِی الدُّنْیَا أَنْ لَّا تَکُوْنَ بِمَا فِیْ یَدَیْكَ أَوْثَقَ مِمَّا فِیْ یَدَیِ اللّٰهِ وَأَنْ تَکُوْنَ فِیْ ثَوَابِ الْمُصِیْبَةِ إِذَا أَنْتَ أُصِبْتَ بِهَا أَرْغَبَ فِیْهَا لَوْ أَنَّهَا أُبْقِیَتْ لَكَ ——— رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ دنیا کے بارے میں زہد اور اس کی طرف سے بے رغبتی (جو خاص ایمانی صفت ہے) وہ حلال کو اپنے پر حرام کرنے اور اپنے مال کو برباد کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس اور تمہارے ہاتھ میں ہو، اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تم کو اس پر ہو جو اللہ کے پاس اور اللہ کے قبضہ میں ہے، اور یہ کہ جب تم کو کوئی تکلیف اور ناخوش گواری پیش آئے تو اس کے اخروی ثواب کی چاہت اور رغبت تمہارے دل میں زیادہ ہو بہ نسبت اس خواہش کے کہ وہ تکلیف اور ناگواری کی بات تم کو پیش ہی نہ آتی۔ (ترمذی وابن ماجہ)

(تشریح) بہت سے لوگ ناواقفی سے زہد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی دنیا کی ساری نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کرلے۔ نہ کبھی لذیذ کھانا کھائے، نہ ٹھنڈا پانی پئے، نہ اچھا کپڑا پہنے، نہ کبھی اچھے نرم بستر پر سوئے، اور اگر کہیں سے کچھ آجائے، تو اس کو بھی اپنے پاس نہ رکھے، خواہ جلدی سے کہیں پھینک ہی دے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی غلط خیالی کی اصلاح فرمائی ہے، آپ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ زہد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے اپنی جن نعمتوں کا استعمال بندوں کے لئے حلال کیا ہے، آدمی ان کو اپنے پر حرام کرلے، اور اگر روپیہ پیسہ ہاتھ میں آئے تو اسے برباد کردے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور تقاضا یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اپنے پاس اور اپنے ہاتھ میں ہو

اس کو فانی اور ناپائیدار یقین کرتے ہوئے اس پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے، اور اس کے
مقابلے میں اللہ کے غیر فانی غیبی خزانوں پر اور اس کے فضل پر زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرے،
اور دوسرا معیار اور دوسری علامت زہد کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کوئی تکلیف
اور مصیبت بندہ کو پہونچ جائے تو اس کے اُخروی اجر و ثواب کی چاہت اور رغبت اس کے
دل میں اس مصیبت اور تکلیف کے نہ پہونچنے کی آرزو سے زیادہ ہو، یعنی بجائے اس کے کہ
اس کا دل اس وقت یہ کہے کہ کاش یہ تکلیف مجھے نہ پہونچی ہوتی، اس کے دل کا احساس یہ ہو
کہ آخرت میں مجھے اس تکلیف کا جو اجر و ثواب ملے گا، انشاء اللہ وہ تکلیف نہ پہونچنے کے مقابلے
میں میرے لئے ہزاروں درجہ بہتر ہوگا ——— اور ظاہر ہے کہ آدمی کا یہ حال جب ہی
ہو سکتا ہے جبکہ اس کو عیش دنیا کے مقابلہ میں عیش آخرت کی زیادہ فکر ہو ——— اور یہی
زہد کی اصل و اساس ہے۔

اس حدیث سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بندوں کو اس دنیا میں عافیت اور راحت کے
بجائے تکلیف اور مصیبت کی تمنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرنی چاہئے! دوسری حدیثوں
میں اس سے صریح ممانعت آئی ہے، اور صحیح روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
صحابۂ کرامؓ کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیریت ہی کی دعا اور استدعا
کیا کرو (سَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ) اور خود آپ کا معمول و دستور بھی یہی تھا، پس حضرت ابوذرؓ کی
مندرجۂ بالا حدیث کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ بندہ اس دنیا میں مصائب اور تکالیف کی دعا
یا تمنا کرے، بلکہ اس کا مطلب و مدعا صرف یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے کوئی مصیبت یا تکلیف
بندہ کو پہونچ جائے، تو پھر مومن کا مقام اور زہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا
جو اجر و ثواب آخرت میں ملنے والا ہے وہ اس کو اس کے نہ پہونچنے سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو
ان دونوں باتوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

زہد نبوی

اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی:-

(۶۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ ــــــ رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان ورواہ ابن ماجہ عن ابی سعید۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ:- اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھا، اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

(جامع ترمذی وشعب الایمان للبیہقی، اور ابن ماجہ نے اسی کو ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) ابھی چند صفحے پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشکش کی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دیا جائے، تو آپ نے عرض کیا کہ:- نہیں میرے پروردگار! میں تو ایسی فقیرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانے کو ہو، اور ایک دن کھانے کو نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچ سمجھ کر اپنے لئے فقیرانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا، اور یہی آپ کی حقیقت شناس مبارک طبیعت کا بھی میلان تھا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا جو مقام و منصب تھا، اور جو کار عظیم آپ سے متعلق تھا اس کے لئے یہ فقر و مسکنت کی زندگی ہی زیادہ مناسب و بہتر تھی ــــــ اور اگر اللہ تعالیٰ قناعت و طمانیت اور رضا و تسلیم نصیب فرمائے، تو بندوں کے لئے عام طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطۂ نظر سے

بہ نسبت دولتمندی کے فقر و ناداری کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے۔

(۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَفِیْ رِوَایَةٍ کَفَافًا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! محمدؐ کے متعلقین کی روزی بس بقدر کفاف ہو۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) اصل عربی زبان میں آل کا لفظ گھر والوں یعنی بیوی بچوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور متبعین کے لئے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپ کی مراد آپ کے گھر والے ہی ہیں اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ متعلقین سے کیا ہے، قُوت اور کفاف دونوں کا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ روزی بس اتنی ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فاقہ زدگی اور پریشاں حالی کی وجہ سے اپنے متعلقہ کام بھی نہ انجام دیئے جا سکیں اور دست سوال کسی کے سامنے پھیلانا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لئے بھی ذخیرہ رکھا جا سکے ——— احادیث و سیر کی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی طرح گذری۔

حضورؐ کی زندگی میں آپ کے گھر والوں نے کبھی دو دن جَو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا

(۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے گھر والوں نے جو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا، یہاں تک کہ حضورؐ اس دنیا سے اُٹھا لئے گئے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے اہل و عیال نے دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کھائی ہو۔ اگر ایک دن پیٹ بھر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے۔

(۶۴) عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَاَبٰى اَنْ يَّاْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ ۔ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) سعید مقبری حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا گذر کچھ لوگوں پر ہوا (جو کھانے پر بیٹھے تھے) اور اُن کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی، اُن لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی کھانے میں شریک ہونے کی استدعا کی، تو آپ نے انکار کر دیا، اور بطور معذرت کہا کہ (میرے لئے اس کھانے میں کیا مزہ ہے، جبکہ مجھے معلوم ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ جو کی روٹی سے بھی آپ نے پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری)

رسول اللہ صلعم نے دنیا میں جو تکلیفیں اُٹھائیں وہ کسی نے بھی نہیں اُٹھائیں

(۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ

وَمَالِیْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ یَّاکُلُهٗ ذُوْکَبِدٍ اِلَّا شَیْئٌ یُّوَارِیْهِ

اِبِطُ بِلَالٍ —————— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اَور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا، اَور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اَور کو اتنا نہیں ستایا گیا، اَور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گذرے کہ میرے اَور بلال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اُس کے جو بلال نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو سبق دینے کیلئے یہ آپ بیتی سنائی، کہ دین کی دعوت اَور اللہ کا پیغام پہونچانے کے سلسلہ میں مجھے ایسی ایسی مصیبتوں سے گذرنا پڑا ہے، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا، اَور جب میں نے اُن کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا، اَور دین کی دعوت دیتا ہی رہا، تو اُن ظالموں نے مجھے اتنا ستایا اَور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تکلیفوں سے گذرنا نہیں پڑا، اَور بھوک اَور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اُٹھائی کہ ایک دفعہ پورے مہینہ کے تیس دن رات اِس حالت میں گذر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی، بجز اُس کے کہ بلال نے اپنی بغل میں کچھ دبا رکھا تھا، پورے مہینہ مجھے اَور بلال کو اُسی پر گذارہ کرنا پڑا۔

دُو دُو مہینے تک حضورؐ کا چولھا ٹھنڈا رہتا تھا:۔

(۶۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ اِبْنَ اُخْتِیْ اِنْ کُنَّا لَنَنْظُرُ اِلَی الْهِلَالِ ثَلٰثَةَ اَهِلَّةٍ فِیْ شَهْرَیْنِ وَمَا اُوْقِدَتْ

فِیْ اَبْیَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ مَا کَانَ یُعَیِّشُکُمْ قَالَتْ اَلْاَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّا اَنَّہٗ قَدْ کَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِیْرَانٌ مِنَ الْاَنْصَارِ کَانَ لَھُمْ مَنَائِحُ وَکَانُوْا یَمْنَحُوْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَسْقِیْنَاہُ ۔ ــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے عروہ سے فرمایا:۔ میرے بھانجے! ہم (اہلبیت نبوت اِس طرح گذارہ کرتے تھے کہ) کبھی کبھی لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی کامل دو مہینے گذر جاتے تھے) اور حضورؐ کے گھروں میں چولھا گرم نہ ہوتا تھا (عروہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ پھر آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: بس کھجور کے دانے اور پانی (ان ہی پر ہم جیتے تھے) ــــــ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض انصاری پڑوسی تھے، اُن کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے، وہ آپ کے لئے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے، اور اُس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تنگی اور ناداری اِس قدر تھی کہ حضورؐ کے گھر والوں پر دو دو مہینے ایسے گذر جاتے تھے کہ کسی قسم کا اناج، بلکہ پکنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی، جس کی وجہ سے چولھا جلانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے، یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حضورؐ کے لئے دودھ آتا، تو وہ پیٹوں میں پہونچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!۔

آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے مسلسل فاقے :۔

(۶۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَاِنَّمَا كَانَ عَشَاءُهُمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ ـــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی راتیں پے بہ پے اس حالت میں گذرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رہتے تھے، کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (اور جب کھاتے) تو اُن کا رات کا کھانا عام طور سے بس جَو کی روٹی ہوتی تھی۔ (ترمذی)

جب آپ کی وفات ہوئی، تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی :۔

(۶۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں، کہ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حال میں وفات پائی، کہ آپ کی زرہ ۳۰ صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

(بخاری)

(تشریح) ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا، اس حساب سے ۳۰ صاع جَو قریب ڈھائی مَن کے ہوئے ـــــــ حدیث کا

مقصد اور منشاء یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرمانروا بھی تھے) آپ کے گھر کے گذارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرہ رہن رکھ کر آپ نے صرف جو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لئے تھے۔

مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت :-

مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لئے جا سکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہو سکتی ہیں :- ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہل محبت اور نیازمندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم کی ضرورت کا علم ہو، کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے ہدیہ وغیرہ کے ذریعے آپ کی خدمت کرنا چاہتے، اور اس سے ان پر بار پڑتا، نیز اس صورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی طلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غالباً دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے، کہ آپ کے ذریعہ اہل ایمان کو دین کی جو دولت ملی، اس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر بھی دنیوی فائدہ اُن سے اُٹھائیں، اس لئے مجبوری اور ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالباً یہ بھی تھی کہ لین دین کے یہ تعلقات غیر مسلموں سے رکھنے میں اُن کی آمد و رفت اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کا راستہ کھلتا تھا، کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانچیں، اور ایمان اور رضاء الٰہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ یاب ہوں ــــــ چنانچہ یہ نتائج ظہور میں بھی آئے، مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالہ سے مدینہ کے ایک بڑے دولتمند یہودی کا

یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ قرض لیا تھا، وہ تقاضہ کو
آیا، تو آپ نے عذر کیا کہ اس وقت ہم خالی ہاتھ ہیں اسلئے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے
آج مجبور ہیں، اُس نے کہا کہ میں تو بغیر لئے نہیں جاؤں گا، چنانچہ جم کے وہیں بیٹھ گیا،
یہاں تک کہ پورا دن گذر گیا اور رات بھی گذر گئی۔ اور حضورؐ نے اس دوران میں اُس
یہودی کی موجودگی ہی میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں، اور وہ
نہیں ٹلا، بعض صحابہ کو اُس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور انھوں نے چپکے چپکے اُس کو
ڈرایا دھمکایا، تاکہ وہ کسی طرح چلا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ
چل گیا تو آپ نے فرمایا، کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ کسی معاہد پر کوئی ظلم وزیادتی نہ ہو،
یہ سن کر اُن صحابہ کو بھی خاموش ہوجانا پڑا، پھر کچھ وقت گذرنے کے بعد اُس یہودی نے
کہا، کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ میں دیکھنا اور جانچنا چاہتا
تھا، کہ وہ اوصاف وعلامات آپ میں موجود ہیں یا نہیں جو توراۃ میں آخری زمانے میں
آنے والے پیغمبر کے بیان کئے گئے ہیں، اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ آپ ہی
وہ نبیٔ موعود ہیں، اسکے بعد اسنے کلمۂ شہادت پڑھا، اور اپنی ساری دولت حضورؐ کی خدمت
میں پیش کرکے عرض کیا: ”ھٰذَا مَالِیْ فَاحْکُمْ فِیْہِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ“ یہ میرا سارا
مال حاضر ہے، اب آپ اللہ کی تعلیم وہدایت کے مطابق اسکے بارے میں جو چاہیں فیصلہ
فرمائیں، اور جس مصرف میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں۔

(مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

خوشحالی کیلئے دعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپکا جواب:-

(۶۹) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
فَاِذَا ھُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰی رِمَالِ حَصِیْرٍ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ فِرَاشٌ

قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِكَ فَاِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ اَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ ——————— رواه البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پٹھوں سے بنی ہوئی ایک چٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں، اور اس کے اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں، اور سرہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے، یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا، کہ: حضورؐ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی امت کو فراخی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراخی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں: آپ نے فرمایا:۔ اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کئے گئے ہیں، اور اسلئے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ ان کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں ان کو دے دی گئی ہیں۔ اور ایک روایت میں حضورؐ کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔ اے عمرؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا کا عیش ہو، اور

ہمارے لئے آخرت کا عیش۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دُکھا، اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرما دیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں، اور چونکہ حضورؐ کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لئے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے، اسلئے عرض یہ کیا، کہ حضورؐ اپنی اُمت کے لئے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں، اور اسکے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا کہ دنیا کی وسعت ودولت جب ایسی معمولی چیز ہے، کہ اللہ نے روم وفارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ کی دعا سے آپ کی اُمت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکی اس گذارش پر بطور تنبیہ کے حیرت واستعجاب کے ساتھ فرمایا کہ۔ اے فرزند خطاب! کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اُس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو! ———

روم وفارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، اُن کا معاملہ تو یہ ہے کہ آخرت کی اُس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان بیچاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا، وہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے ایسی حالت میں اُن کے عیش وآرام اور اُن کی دولت مندی کو دیکھ کر اُس پر للچانا۔ اور اس کی حرص کرنا، حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے، تم کو تو فکر وطلب بس آخرت کی ہونی چاہئے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش وآرام!۔

میں اس دنیا میں اُس مسافر کی طرح ہوں جو سایہ کیلئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو:۔

(۷۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِيْ وَ
لِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ
ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا ——— رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے، پھر جب سو کے آپ اُٹھے، تو جسمِ مبارک میں اُس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پڑے ہوئے تھے (اس حالت کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہوکر) اس خادم ابن مسعود نے عرض کیا، کہ اگر حضور فرمادیں تو ہم حضرت کے لئے بستر کا انتظام کریں، اور کچھ بنائیں (یعنی آپ سے اس کی اجازت چاہی) ارشاد فرمایا۔ مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور اس کی راحتوں اور لذتوں سے) کیا تعلق اور کیا لینا! میرا تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے، جیسا کہ کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ لینے کے لئے کسی درخت کے نیچے ٹھہرا، اور پھر اُس کو اپنی جگہ چھوڑ کے منزل کی طرف چل دیا۔

(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے تھوڑے سے وقت کے لئے راحتوں کے انتظامات کرنا ضروری نہیں سمجھتا، اور منزلِ مقصود پر پہنچنے کی فکر کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی، بس یہی میرا حال ہے ——— اور حق یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح منکشف ہو جائے تو اُس کا حال اِسکے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا ——— اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا، اور اس کے لئے

اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا صرف کرنا ایسا ہی کار حماقت معلوم ہوگا جیسا کہ درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنے والے مسافر کا اس ذرا سے وقت کے لئے بڑے بڑے انتظامات میں مشغول ہونا۔

دولت اگر صلاح و تقوے کیساتھ ہو تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے:-

پچھلے صفحات میں جو حدیثیں دولت کی مذمت اور فقر و زہد کی فضیلت میں گذر چکی ہیں، اگرچہ اُن کی تشریح میں جا بجا اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ دولت صرف وہی خطرناک ہے جو خدا سے غفلت اور آخرت کی طرف سے بے پروائی پیدا کرے ــــــ لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ بندہ اللہ کی توفیق سے دولت کے ذریعہ بھی اللہ کی رضا اور جنت کمائے، تو پھر ایسی دولت خدا کی بڑی نعمت ہے ــــــ آگے درج ہونے والی حدیثوں میں یہی مضمون صراحت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱۷) عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى رَاسِهٖ اَثَرُ مَاءٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ قَالَ اَجَلْ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِيْ ذِكْرِ الْغِنٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَاْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقٰى خَيْرٌ مِنَ الْغِنٰى وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ ــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے، اور آپ کے سر مبارک پر اس وقت پانی کا

اثر تھا (یعنی معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے ابھی غسل فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت اچھا، اور دل بہت خوش ہے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ہاں! (الحمد للہ ایسا ہی ہے) پھر اہلِ مجلس دولت مندی اور دنیوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ اچھی چیز ہے یا بُری، اور دین اور آخرت کے لئے مضر ہے یا مفید) تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا، کہ:۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (اور اسکے احکام کی پابندی کرے) اُس کے لئے مالداری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں، اور صحت مندی صاحبِ تقویٰ کے لئے دولت مندی سے بھی بہتر ہے، اور خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے (جس کا شکر واجب ہے)۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولت مندی اور مالداری اگر تقویٰ کے ساتھ ہو یعنی اللہ کا خوف، آخرت کی فکر، اور احکام شریعت کی پابندی نصیب ہو، تو اس میں دین کے لئے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے، تو اس صورت میں یہی مال و دولت دین کی بڑی سے بڑی ترقیوں اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہونچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ اُن کے اُس مال و دولت ہی کا ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقعوں پر اُن کے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائی تھیں ——— البتہ اس میں شک نہیں کہ دولت مندی کے ساتھ تقویٰ، یعنی خدا ترسی اور فکرِ آخرت اور اتباعِ شریعت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے، ورنہ دولت کے نشہ میں اکثر لوگ بھٹک ہی جاتے ہیں۔ ع

"چوں بدولت برسی مست نگردی مردی"

(۷۲) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ ــــــــ رواہ مسلم۔
(ترجمہ) حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس متقی دولت مند بندہ سے جو (تقویٰ اور دولت مندی کے باوجود) نامعروف اور چھپا ہوا ہو۔
(مسلم)

(تشریح) "چھپا ہوا" ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ لوگ اُس کی اِس خاص حالت کو عام طور سے جانتے بھی نہ ہوں کہ دولت مند اور صاحبِ ثروت ہونے کے ساتھ تقوے میں بھی اس بندۂ خدا کا خاص مقام ہے، جس بندہ میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوں، اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، اور اُس کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔

نیک مقاصد کیلئے دُنیا کی دولت حاصل کرنے کی فضیلت:۔

(۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْیًا عَلٰی اَهْلِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰی جَارِهٖ لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَوَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا مُکَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِیًا لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی وَهُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ ــــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وابو نعیم فی الحلیۃ۔
(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو شخص دُنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل

کرنا چاہیے، تاکہ اُس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے، اَور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی اُور آرام و آسائش کا سامان مہیا کرسکے، اَور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اُور سلوک کرسکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اِس شان کے ساتھ حاضر ہوگا، کہ اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح رُوشن اُور چمکتا ہوگا ـــــــ اُور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعے سے اِس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہوجائے اُور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھاسکے، اُور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کے لئے داد و دہش کرسکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اِس حال میں حاضر ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ اُس پر سخت غضبناک ہوگا۔ (شعب الایمان للبیہقی و حلیہ ابی نعیم)

(تشریح) معلوم ہوا کہ اچھی نیت سے اُور نیک مقصد کے لئے دنیا کی دولت حلال ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز اُور مباح ہے، بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا، تو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل و کرم ہوگا، جس کے نتیجہ میں اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح رُوشن اُور منوّر ہوگا، لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا، اُور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا، اُور لوگوں کے دکھاوے کے لئے بڑے بڑے کام کرنا ہو، تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقے سے ہو، تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا، اُور اگر ناجائز اُور حرام طریقوں سے ہو تب تو سخت ترین وبال ہے۔

(۴۷) عَنْ اَبِیْ کَبْشَةَ الْاَنْمَارِیْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا

فَاحْفَظُوْهُ فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ فَاِنَّهٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ
مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَةً صَبَرَ عَلَیْهَا اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ
بِهَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهَا
بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُكُمْ فَاحْفَظُوْهُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْیَا
لِاَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ یَتَّقِیْ فِیْهِ
رَبَّهٗ وَیَصِلُ رَحِمَهٗ وَیَعْمَلُ لِلّٰهِ فِیْهِ بِحَقِّهٖ فَهٰذَا بِاَفْضَلِ
الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ یَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ
صَادِقُ النِّیَّةِ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ
فَاَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَمْ یَرْزُقْهُ عِلْمًا
فَهُوَ یَتَخَبَّطُ فِیْ مَالِهٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَا یَتَّقِیْ فِیْهِ رَبَّهٗ وَلَا یَصِلُ
فِیْهِ رَحِمَهٗ وَلَا یَعْمَلُ فِیْهِ بِحَقٍّ فَهٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ
وَعَبْدٍ لَمْ یَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَا عِلْمًا فَهُوَ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ
لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِیْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِیَّتِهٖ وَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) ابو کبشہ انماری سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے، کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم
کھاتا ہوں، اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان
کرنا چاہتا ہوں، پس تم اس کو یاد کر لیجیو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا
ہوں، اُن میں ایک تو یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں
ہوتا، (یعنی کوئی شخص اپنا مال راہِ خدا میں دینے کے سبب سے کبھی
مفلس و نادار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی، اور جس خدا

کی راہ میں وہ صدقہ کرے گا، وہ اپنے خزانۂ غیب سے اُس کو دیتا رہے گا)۔
اُور (دُوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کبھی بندہ پر ایسا ظلم
جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے، مگر اللہ تعالیٰ اُسکے عوض بڑھا دے گا
اُس کی عزت (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ جب کسی بندہ پر
ناحق کوئی ظلم کیا جائے، اور اُس کو ستایا جائے، اُور وہ بندہ صبر کرے،
تو اللہ تعالیٰ اسکے عوض اس کی عزت و رفعت دنیا میں بھی بڑھائے گا)۔
اُور (تیسری بات یہ ہے کہ) نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ،
مگر اللہ کھول دے گا اُس پر فقر کا دروازہ (یعنی جو بندہ مخلوق کے سامنے
ہاتھ پھیلانے کا پیشہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے کہ
فقر و محتاجی اُس پر مسلط ہوگی، گویا یہ تینوں اللہ کے ایسے اٹل فیصلے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں۔
اسکے بعد آپ نے فرمایا) ——— اُور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے
بیان کرنا چاہتا تھا، جس کو تمھیں یاد کر لینا اُور یاد رکھنا چاہیئے، وہ یہ ہے کہ
دُنیا چار قسم کے آدمیوں کے لئے ہے (یعنی اس دنیا میں چار طرح کے آدمی
ہیں) ——— ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے، اُور صحیح طریقِ بندگی
کا علم بھی ان کو دیا ہے، پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے
ڈرتے ہیں، اُور اسکے ذریعہ صلۂ رحمی (یعنی اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سلوک
اُور ان کی ہمدردی) کرتے ہیں، اُور اس میں جو عمل اُور تصرف کرنا چاہیئے
اللہ کی رضا کے لئے وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے اعلیٰ و افضل
مرتبہ پر فائز ہیں ——— اُور (دُوسری قسم) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے
صحیح علم (اُور صحیح جذبہ) تو عطا فرمایا ہے، لیکن اُن کو مال نہیں دیا، پس اُنکی

نیت صحیح اور سچی ہے، اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں، کہ ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (نیک بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں، (اور اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ جن اچھے مصارف میں صرف کرتا ہے، ہم بھی اُن ہی میں صرف کریں) پس ان دونوں کا اجر برابر ہے (یعنی دوسری قسم کے اُن لوگوں کو حسن نیت کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی ثواب ملے گا) ——— اور (تیسری قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال دیا، اور اسکے صرف و استعمال کا صحیح علم (اور صحیح جذبہ) نہیں دیا، پس وہ طلعانی کے ساتھ، اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں میں خرچ کرتے ہیں، اسکے ذریعہ صلہ رحمی نہیں کرتے، اور جس طرح اُس کو صرف و استعمال کرنا چاہئے اُس طرح نہیں کرتے، پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں ——— اور (چوتھی قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا، اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ) بھی نہیں دیا، پس اُن کا حال یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں، کہ اگر ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (عیاش اور فضول خرچ) شخص کی طرح، اور اُسی کے طریقے پر صرف کریں (یعنی اس شخص کی طرح ہم بھی عیاشی اور فضول خرچی کریں) پس یہی اُن کی نیت ہے اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے (یعنی آخری قسم کے لوگوں کو اُنکی بُری نیت کی وجہ سے وہی گناہ ہوگا، جو تیسری قسم کے لوگوں کو اُن کے بُرے اعمال کا گناہ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کے نفس مطلب کی وضاحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ کر دی گئی ہے البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بُرے عمل کی جس نیت پر گرفت ہے، اور جو گویا بُرے عمل ہی کی طرح گناہ ہے، وہ عزم کا درجہ ہے، یعنی بندہ کو اس گناہ کا شوق، اور اپنی طرف سے

اُسکے کرگذرنے کا مصمم ارادہ ہو، چاہے کسی مجبوری کی وجہ سے پھر کر نہ سکے۔ پس جب کسی گناہ کی نیت اِس درجہ کی ہوگی، تو اس گناہ ہی کی طرح وہ بھی معصیت ہوگی، اور بندہ اس پر سزا کا مستحق ہوگا۔

معصیت کی زندگی کیساتھ اگر دنیا میں نعمتیں مل رہی ہیں تو یہ استدراج ہے:-

(۷۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ عَلَى مَعَاصِيهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اِسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ـــــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اُس کی معصیت کوشی اور نافرمانی کے باوجود دنیا کی وہ نعمتیں (مال و دولت اور راحت و عزت وغیرہ) دے رہا ہے، جن کا وہ بندہ خواہاں اور طالب ہے، تو سمجھ لو کہ وہ اُس کے حق میں استدراج ہے ـــــــ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور استشہاد کے) قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: " فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ الآيَة " جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ـــــــ جب انھوں نے بھلا دیا اُن باتوں کو، جن کی اُن کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے کھول دیئے اُن پر دنیا کی سب نعمتوں کے دروازے، یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں کے ملنے پر خوب مست ہوئے اور اترائے، تو ہم نے ایک دم

ان کو اپنی سخت پکڑ میں لے لیا، پس وہ حیران و ششدر، اور آئندہ کیلئے بالکل ناامید ہو کر رہ گئے۔ (مسند امام احمد)

(تشریح) اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں، جن کے مطابق افراد یا اقوام کے ساتھ وہ معاملہ فرماتا ہے اُن میں سے ایک "استدراج" بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی مجرم اور باغی بندہ یا گروہ معصیت کوشی اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے، اور آخرت اور خدا کے احکام سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر زندگی گذارنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس سے سخت ناراض ہو کر کبھی کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اُس کی رسی اور دراز کر دی جاتی ہے، اور کچھ مدت کے لئے نعمتوں کے دروازے اُس پر کھول دیئے جاتے ہیں، تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور سرمستی کے ساتھ اسی غفلت، فراموشی اور سرکشی میں آگے بڑھتا رہے، اور پھر بڑی سے بڑی سزا پائے ـــــ دین کی خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو "استدراج" کہا جاتا ہے ـــــ پس مندرجۂ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر مجرمانہ اور باغیانہ زندگی گذار رہے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو انواع و اقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں، اور وہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں، تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو کر اپنی نعمتیں اُن پر اُنڈیل رہا ہے، بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی رسی دراز کر رہا ہے، اور اُن کا آخری انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

کافروں، فاجروں کی خوش حالی پر رشک نہ کرو:-

(۷۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَتِهٖ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا هُوَ لَاقٍ

بَعْدَ مَوْتِهٖ اِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا يَمُوْتُ يَعْنِى النَّارَ۔

(رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم کسی بدکار (کافر یا فاسق) پر کسی نعمت اور خوش حالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اُس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اُس کے لئے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں ——— (اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والے راوی عبد اللہ بن ابی مریم کہتے ہیں، کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس "قاتل" سے دوزخ کی آگ ہے، (یعنی وہ بیچارا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے پس ایسے شخص پر رشک کرنا کتنی بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔ (شرح السنہ)

(تشریح) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مومن اور نیکوکار بندہ جو اس چند روزہ امتحانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھاٹھ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہے، تو شیطان اُسکے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے، اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے ——— پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی، کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں، اور خدا فراموشی اور بداعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوامی زندگی میں عذاب نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں اُن کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحب ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہیے، ان بیچاروں، کمبختی کے ماروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہے، اور ان پر جو بیتنا

پڑنے والی ہے، اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو دو چار دن پہلے سے خاص سہولتیں دی جاتی ہیں، اور کھانے پینے کے بارہ میں اُس کی خواہش اور چاہت معلوم کر کے حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے اُن حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اُن کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل یہی ہے اسلئے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر رشک نہیں پیدا ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُسنے ہم کو ایمان نصیب فرما کر ان بیچاروں کے بُرے حال اور بُرے انجام سے بچالیا ہے۔

اِس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اہلِ دنیا کو دیکھ کر بے اختیار اُن کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دعا جاری ہو جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ	ساری حمد و ستائش اُس اللہ کیلئے ہے،
مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ	جسنے مجھے اِس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں
عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔	اے بندے تو مبتلا کیا گیا ہے، اور اُس نے
	مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر برتری عطا فرمائی

کسی کی ظاہری خستہ حالی اور غربت کی وجہ سے اُس کو حقیر نہ سمجھو:-

(۷۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ جَالِسٍ مَا رَأْیُكَ

فِی هٰذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَشْرَافِ النَّاسِ، هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِیٌّ
اِنْ خَطَبَ اَنْ یُّنْکَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ یُّشَفَّعَ، قَالَ فَسَکَتَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهٗ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاْیُكَ فِیْ هٰذَا؟ فَقَالَ
یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ، هٰذَا حَرِیٌّ
اِنْ خَطَبَ اَنْ لَا یُّنْکَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ لَا یُّشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ
اَنْ لَا یُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ مِلْءِ الْاَرْضِ مِثْلِ هٰذَا ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص (جو غالباً دولت مند اور معززین میں سے تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرا، تو آپ نے ایک صاحب سے جو آپ کے پاس اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ:۔ اِس گذرنے والے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟۔ انھوں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! یہ بہت بڑے اور معزز آدمیوں میں سے ہے، یہ ایسی شان والا ہے کہ جس گھرانے کی بیٹی کے لئے نکاح کا پیغام دے تو منظور کرلیا جائے، اور نکاح کردیا جائے، اور اگر کسی معاملے میں سفارش کردے تو اس کی سفارش ضرور مانی جائے ـــــ

سہل بن سعد کہتے ہیں، کہ یہ جواب سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے، اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اور اللہ کا بندہ گذرا، آپ نے اُن ہی صاحب سے پھر پوچھا کہ:۔ اِس شخص کے بارہ میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟۔ انھوں نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ یہ بیچارہ نادار اور مسکین مسلمانوں میں سے ہے، یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں نکاح کا

پیام دے، تو اسکے ساتھ نکاح نہ کیا جائے۔ اور اگر کسی معاملہ میں سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے۔ اور کوئی بات کہنا چاہے تو اس کی بات بھی نہ سنی جائے۔ (اُن کا یہ جواب سُن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کہ پہلے والے اُس آدمی کے مثل اگر زمین بھر ہوں، تو یہ ایک اکیلا فقیر و مسکین اُن سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) انسانوں کی عام حالت یہ ہے کہ دنیا کی دولت اور دنیا کی بڑائی ہی کو وہ اصل بڑائی، اور وزن اور قیمت کی چیز سمجھتے ہیں۔ اور اسی سے متاثر ہوتے ہیں، اور اللہ کے جو بندے اُس سے خالی ہوں (اگرچہ اُن کے پاس ایمان اور حُسنِ عمل کی دولت کتنی ہی وافر ہو) عام طور سے اہلِ دنیا ان کو حقیر و ذلیل ہی سمجھتے ہیں، یہ حدیث در اصل اسی قلبی اور ذہنی بیماری کے علاج کا ایک نسخہ ہے، بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو صاحب اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے (جن سے آپ اس گفتگو میں مخاطب رہے) اُن میں بھی اِس مرض کے کچھ جراثیم ہوں، اور آپ نے اُن کی اصلاح کیلئے ہی یہ گفتگو فرمائی ہو۔

شارحین نے بھی لکھا ہے، اور حدیث کے ظاہر الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں گذرنے والے مسلمان ہی تھے، البتہ پہلے جو گذرے وہ دنیا کی دولت و وجاہت میں برتر تھے، اور دین کے لحاظ سے کمتر، اور بعد میں جو صاحب گذرے، وہ دنیا کے لحاظ سے تو کمتر تھے، مگر دین اور تعلق باللہ میں برتر اور بلند تر ——— اسی فرق کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ پہلے جیسے اگر اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ اللہ کی وسیع زمین ان سے بھر جائے، تو بھی بعد میں گذرنے والا اللہ کا غریب و مسکین یہ ایک بندہ ان سب سے بہتر ہے ——— اللہ اکبر! دین، اور تعلق باللہ کی عظمت و رفعت کا کیا ٹھکانا!۔

(۴۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ ————— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ بہت سے پراگندہ بالوں والے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے جن کو دروازوں پر دھکے دیئے جائیں (اللہ کے نزدیک اُن کا مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر اللہ پر وہ قسم کھا جائیں، تو اُن کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے۔

(مسلم)

(تشریح) اِس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی کو مَیلا کچیلا، خستہ حال، اور پراگندہ بال دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہئے، ایسوں میں اللہ کے بعض بندے وہ بھی ہوتے ہیں، جو اللہ کے لئے اپنے کو مٹا کر اُسکے یہاں ایسا تقرب اور محبوبیت و مقبولیت کا وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں، کہ اللہ ایسا ہی کرے گا، یا ایسا نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کی لاج رکھتا ہے، اور ویسا ہی کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا مقصد و منشا پراگندہ بالی اور گرد آلودگی اور مَیلا کچیلا رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے) حدیث و سیر کی متواتر شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے صاف ستھرا رہنا پسند فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، بلکہ بعض لوگوں کو جب آپ نے اِس حال میں دیکھا، کہ اس بارہ میں وہ تفریط اور غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور انھوں نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا ہے، تو آپ نے اُن کو اپنی اِس حالت کے درست کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اِس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے، کہ لوگ

پراگندہ بال، میلے کچیلے اور گرد و غبار میں اَٹے ہوئے رہا کریں، بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا حدیث کا مقصد و منشا اور اس کی روح یہی ہے، کہ اللہ کے کسی بندہ کو خستہ حال اور گرد آلود دیکھ کر اُس کو حقیر اور اپنے سے کمتر نہ سمجھا جائے، کیونکہ بہت سے اس حال میں رہنے والے بھی خاصانِ خدا میں سے ہوتے ہیں —— پس اس حدیث میں دراصل اُن لوگوں کے خیال اور حال کی اصلاح کی گئی ہے جو اللہ کے غریب و خستہ حال بندوں کو ناکارہ و نکما سمجھتے ہیں، اور اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اپنے ذہنی تکبر کی وجہ سے ان کے ساتھ ملنے جلنے اور اُن کے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں، اور اسی میں اپنی بڑائی کی حفاظت سمجھتے ہیں۔

بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ انکی برکت اور دعا سے رزق ملتا ہے:-

(۷۹) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰى سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ ——

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد سعد کو (اللہ تعالےٰ نے جو خاص صلاحیتیں بخشی تھیں، مثلاً شجاعت، سخاوت، فہم و فراست، وغیرہ، ان کی وجہ سے ان کا) کچھ خیال تھا کہ جو (غریب اور کمزور قسم کے مسلمان ان چیزوں میں) ان سے کمتر ہیں، وہ اُن کے مقابلہ میں فضیلت اور برتری رکھتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُنکے اس خیال اور حال کی اصلاح کیلئے) فرمایا کہ:- اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم لوگوں کی جو مدد ہوتی ہے، اور تم کو جو نعمتیں ملتی ہیں، وہ تمہاری صلاحیتوں اور

قابلیتوں کی بنیاد پر نہیں ملتیں، بلکہ تم میں جو بیچارے کمزور اور خستہ حال ہیں؛ اُن کی برکت اور ان کی دعاؤں سے ملتی ہیں۔ (بخاری)

(تشریح) حضرت سعد کا جو خیال تھا، چونکہ اس کی بنیاد ایک قسم کے کبر پر تھی اسلئے اس کی اصلاح اور اس کے علاج کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتلایا کہ تم جن مسکینوں کو اپنے سے کمتر اور اپنے کو اُن سے برتر سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ ان ہی کے طفیل میں، اور ان ہی کی دعاؤں سے تم کو وہ سب کچھ دیتا ہے جس سے تم یہاں بڑے بنے ہوئے ہو آج بھی ہم جیسے لکھے پڑھے جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیتیں دے رکھی ہیں، اور دین کی کسی خدمت کی توفیق مل رہی ہے، عموماً اسی قسم کے کبر میں مبتلا ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

(ف) اسی حدیث کی نسائی کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس طرح ہیں:- "اِنَّمَا یَنْصُرُ اللّٰہُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ بِضَعِیْفِھِمْ بِدَعْوَتِھِمْ وَصَلٰوتِھِمْ وَاِخْلَاصِھِمْ" ـــــــ ظاہر ہے کہ اس روایت کے الفاظ اور مطلب میں صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ سے زیادہ واضح ہیں۔

اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو۔

(۸۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُکُمْ اِلٰی مَنْ فُضِّلَ عَلَیْہِ فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلُ مِنْہُ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسمانی بناوٹ، یعنی شکل و صورت میں اس سے بڑھا ہوا ہو (اور اس کی وجہ سے اسکے دل میں حرص و طمع اور شکایت پیدا ہو) تو اس کو چاہئے کہ کسی ایسے بندہ کو دیکھے، جو ان چیزوں میں اس سے بھی کمتر ہو (تاکہ بجائے حرص و طمع اور

شکایت کے صبر و شکر پیدا ہو) (بخاری و مسلم)

(تشریح) انسان کی یہ ایک فطری کمزوری ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت اور دنیوی وجاہت یا شکل و صورت میں اس سے بہتر حال میں ہو، تو اس میں اس کی طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا نہیں بنایا، اس حدیث میں اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص اللہ کے ایسے بندوں کو دیکھے، اور اُن کے حال پر غور کرے، جو مال و دولت، شکل و صورت، اور عزت و وجاہت کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر اور پسماندہ ہوں، انشاء اللہ ایسا کرنے سے اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

(۱۸) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيهِ كَتَبَهُ اللهُ شَاكِرًا صَابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِي دِيْنِهِ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُوْنَهُ فَحَمِدَ اللهَ عَلَى مَا فَضَّلَهُ اللهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي دِيْنِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دُوْنَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا ——— رواه الترمذی

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اور صابرین میں لکھیں گے (ان دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملہ میں تو اللہ کے ان بندوں پر نظر رکھے، جو دین میں اس سے فائق اور بالاتر ہوں، اور ان کی پیروی اختیار کرے، اور

دنیا کے معاملہ میں اُن غریب و مسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اس سے بھی کمتر ہوں، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اِن بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر و شاکر لکھا جائے گا ـــــ اور جس کا حال یہ ہو کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو دیکھے، اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر کرے، اور جو دنیاوی نعمتیں اس کو نہیں ملی ہیں، اُن کے نہ ملنے پر افسوس اور رنج کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر و صابر نہیں لکھا جائے گا۔ (ترمذی)

(تشریح) شکر اور صبر ایمان اور تعلق باللہ کے دو ایسے رُخ ہیں کہ جس بندہ میں یہ دونوں جمع ہو جائیں، تو اس کو گویا ایمان کا کمال نصیب ہو گیا، اور دین کی دولت بھرپور مل گئی ـــــ اور اس کی تدبیر اور اس کا معیار اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے کو اس بات کا عادی بنالے، کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن اچھے بندوں پر نظر رکھا کرے جن کا مقام دین میں (یعنی ایمان و اعمال اور اخلاق میں) اپنے سے بلند تر ہو اور اُن کی پیروی کرتا رہے، اور دنیا کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن خستہ حال اور مبتلائے مصائب بندوں پر نظر رکھے، جو دنیوی لحاظ سے اپنے سے کمتر اور پست تر ہوں، اور اُن کے مقابلے میں دنیوی راحت و عافیت کی جو فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دی گئی ہے اس کو محض اللہ کا فضل سمجھ کر اپنے اس محسن مالک کا شکر ادا کرتا رہے۔

اگر حُسنِ عمل کی توفیق ہو، تو زندگی بڑی نعمت ہے

(۸۲) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ اَیُّ النَّاسِ

شَرٌّ؛ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَسَاءَ عَمَلُهٗ ______ رواہ احمد

(ترجمہ) ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہے گا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ وہ جس کی عمر لمبی ہوئی، اور اسکے اعمال اچھے رہے ______ پھر اسی سائل نے عرض کیا، کہ:۔ آدمیوں میں زیادہ برا (اور آخرت میں زیادہ خسارہ میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اسکے بُرے رہے۔

(مسند احمد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمالِ صالحہ والی زندگی ہوگی تو جتنی طویل عمر اس کو ملے گی اسی قدر اسکے دینی درجات میں ترقی ہوگی، اور اس کے برعکس جس کے اعمال واخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہوں گے، اس کی عمر جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر وہ اللہ کی رحمت ورضا سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔

(۸۳) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقُتِلَ اَحَدُهُمَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَهٗ بِجُمُعَةٍ اَوْ نَحْوِهَا فَصَلَّوْا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ؟ قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰهَ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَيَرْحَمَهٗ وَيُلْحِقَهٗ بِصَاحِبِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَيْنَ صَلٰوتُهٗ بَعْدَ صَلٰوتِهٖ وَعَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ اَوْ قَالَ صِيَامُهٗ بَعْدَ صِيَامِهٖ لَمَا بَيْنَهُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

(ترجمہ) عبید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی (یعنی اس وقت کے دستور کے مطابق ان کو باہم بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب (قریبی ہی زمانہ میں جہاد میں شہید ہوگئے، پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہوگیا (یعنی ان کا انتقال کسی بیماری سے گھر ہی پر ہوا) تو صحابہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا، کہ:- آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دعا کی ؟) انھوں نے عرض کیا، کہ:- ہم نے اس کے لئے یہ دعا کی، کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرمائے، اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو کے اللہ کے قرب ورضا کا وہ مقام حاصل کرچکے ہیں، جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے، اللہ ان کو بھی اپنے فضل وکرم سے اسی مقام پر پہونچا کے) اپنے اس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کردے (تاکہ جنت میں اسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے) ـــــــ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہوجانے کے بعد) انھوں نے پڑھیں، اور دوسرے وہ اعمالِ خیر کہاں گئے، جو اس شہید کے اعمال کے بعد انھوں نے کئے، یا آپ نے یوں فرمایا، کہ اسکے وہ روزے کہاں گئے، جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انھوں نے رکھے ـــــــ (راوی کو شک ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعمال کا ذکر کیا تھا، یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا)

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے، جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بعد میں مرنے والے اس بھائی کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے کمتر سمجھا، اسی واسطے تم نے اللہ سے یہ دعا کی کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کو بھی اس شہید بھائی کے ساتھ کرے حالانکہ بعد میں مرنے والے بھائی نے شہید ہونے والے بھائی کی شہادت کے بعد بھی جو نمازیں پڑھیں، اور جو روزے رکھے، اور جو دوسرے اعمالِ خیر کئے، تمھیں معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے اس کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے، یہاں تک کہ دونوں کے مقامات اور درجات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق اور فاصلہ ہے۔

راہِ خدا میں جان دینا بلا شبہ بہت اونچا عمل ہے، اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں، لیکن نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر اگر اخلاص اور احسانی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں، تو ان کے ذریعہ جو ترقی اور بلندی نصیب ہوتی ہے، اس کی بھی کوئی حد نہیں ہے ——— نیز چونکہ بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راہِ خدا کے سپاہی، اور جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہنے والوں میں سے تھے، اسلئے بستر پر موت آنے کے باوجود وہ اپنی نیت اور شوقِ شہادت کی وجہ سے مقامِ شہادت پر بھی فائز ہوئے، اور بعد کے نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر نے اُن کے درجہ کو اس قدر بلند کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درجوں میں زمین اور آسمان سے زیادہ فاصلہ بتلایا

(۸۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ بَنِيْ عُذْرَةَ ثَلٰثَةً اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمُوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّكْفِلُنِيْهِمْ قَالَ طَلْحَةُ اَنَا، فَكَانُوْا

عِنْدَهٗ فَبَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِیْہِ اَحَدُھُمْ فَاسْتُشْھِدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِیْہِ الْاٰخَرُ فَاسْتُشْھِدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّالِثُ عَلٰی فِرَاشِہٖ قَالَ قَالَ طَلْحَةُ فَرَاَیْتُ ھٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةَ فِی الْجَنَّةِ وَرَاَیْتُ الْمَیِّتَ عَلٰی فِرَاشِہٖ اَمَامَھُمْ وَالَّذِیْ اسْتُشْھِدَ اٰخِرًا یَلِیْہِ وَاَوَّلُھُمْ یَلِیْہِ فَدَخَلَنِیْ مِنْ ذٰلِکَ فَذَکَرْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذٰلِکَ فَقَالَ وَمَا اَنْکَرْتَ مِنْ ذٰلِکَ؟ لَیْسَ اَحَدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ مُّؤْمِنٍ یُّعَمَّرُ فِی الْاِسْلَامِ لِتَسْبِیْحِہٖ وَتَکْبِیْرِہٖ وَتَھْلِیْلِہٖ ——— رواہ احمد

(ترجمہ) عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلۂ بنی عُذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام لائے (اور حضورؐ کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا) تو آپ نے (صحابۂ کرام سے) فرمایا، کہ:۔ ان نومسلم مسافروں کی خبرگیری میری طرف سے کون اپنے ذمّہ لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا، کہ:۔ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں اُن کے پاس رہنے لگے، اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کسی جگہ کے لئے روانہ فرمایا، تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اُس لشکر میں چلے گئے، اور وہاں شہید ہوگئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا، تو ایک دوسرے ساتھی اُس میں چلے گئے، اور وہ بھی جاکر شہید ہوگئے۔ پھر (کچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے اُن کا انتقال بستر ہی پر ہوگیا ——— (حدیث کے راوی عبداللہ بن شداد) کہتے ہیں، کہ طلحہ نے ذکر کیا، کہ میں نے خواب میں اُن تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا، اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت سے مرے، وہ سب سے

آگے ہیں، اور ان کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے، اور اُن کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے اس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خلجان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے ان دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بلند ہوگا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواب اور اپنے اس تاثر اور خلجان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ اس میں تم کو کیا بات اوپری اور غلط معلوم ہوتی ہے، (تم نے ان کے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے، اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا، اور نمازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا، اسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہونا چاہئے، کیونکہ) اللہ کے نزدیک اس مومن سے کوئی افضل نہیں، جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ عمر دراز ملے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر) اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔

(**تشریح**) اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے ــــــ اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے، تو ان دونوں حدیثوں میں اُن جذباتی اور باتونی لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے، جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گزارتے ہیں، حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان اُن کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز، روزہ، ذکر و تلاوت وغیرہ اعمالِ خیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی ترقیوں کا جو موقع اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہے، وہ اس کی قدر نہیں کرتے، اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ بعض اوقات تو ان اعمالِ خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ وَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

جامع اور اہم نصیحتیں اور وصیتیں

(۸۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ——— رواہ احمد والترمذی والدارمی۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو، وہ اس کو مٹا دے گی، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، دارمی)

(تشریح) تقوے کی اصل خدا کا خوف اور اسکے مواخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے، اور یہ ایک باطنی کیفیت ہے، اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کی اطاعت کی جائے، اور منہیات اور معاصی سے بچا جائے ——— لیکن انسان کی سرشت اور اس دنیا میں اُس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف و فکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے تدارک کیلئے ارشاد فرمایا، کہ جب کوئی غلطی اور برائی ہو جائے تو اسکے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس برائی کی ظلمت کو ختم کر دے گا اور مٹا دے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔

(نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں) ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری نصیحت اس حدیث میں حضرت ابوذرؓ کو یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ حُسنِ اخلاق کا ہو ــــــ معلوم ہوا کہ تقویٰ اور تکفیرِ حسنات کے ذریعہ گناہوں کی تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضاءِ الٰہی حاصل ہونے کیلئے بندوں کے ساتھ حُسنِ اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

(۵۶) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِكَ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا وَاَجْمِعِ الْاِیَاسَ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ ــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابو ایوب انصاری سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے، اور مختصر فرمائیے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو، تو اُس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہنے والا، اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا سے جانے والے آدمی کی نماز جیسی ہونی چاہیے تم ہر نماز ویسی پڑھنے کی کوشش کرو، اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ) ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے (یعنی بات کرتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ ایسی بات منہ سے نہ نکلے جسکی جواب دہی کسی کے سامنے اس دنیا میں یا قیامت کے دن خدا کے حضور میں کرنی پڑے، اور تیسری بات یہ یاد رکھو کہ) آدمیوں کے پاس اور ان کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے اپنے کو قطعاً مایوس کر لو (یعنی تمہاری اُمیدوں اور توجہ کا مرکز صرف رب العالمین ہو، اور مخلوق کی طرف سے اپنی اُمیدوں کو بالکل منقطع کر لو)۔

(مسند احمد)

(۸۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُّنْجِیَاتٌ وَثَلٰثٌ مُّهْلِكَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنَا وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًی مُّتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُّطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِیَ اَشَدُّهُنَّ ــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں، اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کردینے والی ہیں، پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں:۔ ایک خدا کا خوف خلوت میں اور جلوت میں (یا ظاہر میں اور باطن میں) اور دوسرے، حق بات کہنا، خوشی میں اور غصہ میں، اور تیسرے میانہ روی خوشحالی میں اور تنگدستی میں ــــــ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں:۔ وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے، اور وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اسکے تقاضے پر چلا جائے)۔ اور آدمی کی خود پسندی کی عادت، اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو حاضرین مجلس اور مخاطبین کے خاص حالات کے لحاظ سے، اور کبھی کسی اور ایسے ہی سبب سے بعض اوقات اپنے ارشادات میں بعض خاص اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی اہمیت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے، اور اسی طرح بعض خاص بُرے اعمال و اخلاق کی قباحت و شناعت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے (اور معلّم اور مربّی کا طرز یہی ہونا بھی چاہئے) ــــــ یہ حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے، اور حضورؐ کے اس ارشاد کا حاصل صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی فکر ہو کہ وہ ہلاکت سے بچے اور نجات حاصل کرے، اُسے چاہئے کہ ان چند نصیحتوں کی خصوصیت سے پابندی کرے، ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا کا خوف اور تقویٰ اُس کا شعار ہے، اور خواہ کسی سے رضامندی ہو یا ناراضی، ہمیشہ حق و انصاف کی بات کہے،

اور وہ خوشحالی و تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی برتے ـــــــ اور اپنی نفسانی خواہش اور بخل کے تقاضوں پر نہ چلے، اور خود پسندی کی نہایت مہلک بیماری سے اپنی حفاظت کرتا رہے ـــــــ آپ نے خود پسندی کو سب سے زیادہ شدید غالباً اسلئے فرمایا کہ اس مرض میں مبتلا ہونے والا آدمی اپنے کو کبھی بیمار ہی نہیں سمجھتا، بلکہ اگر کوئی اُس کو نصیحت کرے اور سمجھائے تو وہ اسی کو غلطی پر سمجھتا ہے ـــــــ اور بلاشبہ وہ مرض بڑا سخت اور لاعلاج ہے، جس کو مریض مرض ہی نہ سمجھے۔

(۸۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ اِذَا كُنَّ فِيْكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْيَا حِفْظُ اَمَانَةٍ وَصِدْقُ حَدِيْثٍ وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ وَعِفَّةٌ فِىْ طُعْمَةٍ ـــــــ

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- چار باتیں اور چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی گھاٹا نہیں۔ امانت کی حفاظت، باتوں میں سچائی، حُسنِ اخلاق، اور کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) آگے امانت کے بیان میں انشاء اللہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ نبوت کی زبان اور دین کی اصطلاح میں امانت بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، اللہ کے اور اسی طرح بندوں کے ہر حق کی ادائیگی اور ہر عہد کی پابندی امانت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے، پس ظاہر ہے کہ جس شخص میں امانت کی صفت ہو یعنی جس کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے اور اسکے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پوری دیانت داری کے ساتھ کرتا ہو، اور اسی کے ساتھ اس کی زبان صداقت اور سچائی کی پابند ہو، اور حُسنِ اخلاق کی دولت بھی اس کو حاصل ہو، اور کھانے پینے کے معاملہ میں بھی محتاط اور پرہیزگار ہو یعنی صرف حلال کھاتا ہو، اور اتنا ہی کھاتا ہو جتنا اس کو کھانا چاہئے، اور حرام اور

مشتبہ سے پرہیز کرتا ہو، الغرض جس شخص کو یہ چار خصلتیں نصیب ہوں، ظاہر ہے کہ اس کو انسانیت کا کمال نصیب ہے جو اس دنیا کی سب سے بڑی بلندی ہے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اس کو وہ بے حساب اور بے شمار نعمتیں ملیں گی جن میں سے ایک ایک کی قیمت اس دنیا سے اور اسکی ساری دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ ہوگی، پس ایسا شخص اگر دنیا سے خالی ہاتھ رہے تو اسے کوئی غم اور کوئی افسوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جو کچھ اسے ملا ہوا ہے دنیا اور اس کی ساری دولتیں اور بہاریں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

(۸۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَخْلَصَ اللّٰهُ قَلْبَهُ لِلْإِيمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَهُ سَلِيمًا وَلِسَانَهُ صَادِقًا وَّنَفْسَهُ مُطْمَئِنَّةً وَّخَلِيقَتَهُ مُسْتَقِيمَةً وَّجَعَلَ أُذُنَهُ مُسْتَمِعَةً وَّعَيْنَهُ نَاظِرَةً فَأَمَّا الْأُذُنُ فَقَمِعٌ وَأَمَّا الْعَيْنُ فَمُقِرَّةٌ لِمَا يُوعِي الْقَلْبُ وَقَدْ أَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَهُ وَاعِيًا ــــــ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ وہ شخص کامیاب اور بامراد ہوا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے خالص کر دیا اور اسکے قلب کو صحیح و سالم بنا دیا (یعنی جس کے دل کو ایسا صاف ایمان و یقین نصیب فرمایا جس میں شک یا نفاق کی کوئی آمیزش اور کوئی گنجائش نہیں، اور حسد و کینہ جیسے باطنی امراض سے بھی اسکے دل کو پاک کر کے سلیم بنایا) اور اس کی زبان کو سچائی اور اسکے نفس کو اطمینان عطا فرمایا (یعنی اسکے نفس کو ایسا کر دیا کہ اللہ کی یاد سے اور اس کی مرضیات سے اس کو چین و اطمینان ملتا ہے) اور اس کی طبیعت کو سیدھا اور درست کر دیا (کہ وہ برائی کی طرف نہیں چلتی) اور اسکے کان کو سننے والا اور آنکھ کو دیکھنے والا بنا دیا (کہ وہ حق باتوں کو اور اللہ کی نشانیوں کو سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں) پس

کان تو مثل قیف کے ہے (کہ باتیں اسکے راستے سے دل میں اِس طرح جاتی ہیں جس طرح بوتل یا شیشی میں کوئی چیز قیف کے ذریعہ جاتی ہے) اور آنکھ پہونچانے والی، اور ٹھہرانے والی ہے اُن چیزوں کو جو وہ قلب کو سونپتی ہے، اور بامراد اور کامیاب ہوا وہ شخص جس کے دل کو بنا دیا اللہ نے یاد رکھنے والا۔

(مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کے آخر حصہ میں کان اور آنکھ کے متعلق جو بات فرمائی گئی ہے:-

"فاما الاذن فقمع الخ" جس کے ترجمہ پر اتمیازکے لئے خط لگا دیا گیا ہے، اس سے وجودِ انسانی میں کان اور آنکھ کی یہ امتیازی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے، کہ دل جو انسانی اعضاء میں گویا بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں جو چیزیں پہونچتی ہیں اور اس کو متاثر کرتی ہیں وہ عموماً کان اور آنکھ ہی کے ذریعہ پہونچتی ہیں، اسلئے انسان کی فلاح و سعادت اس پر موقوف ہے کہ اللہ اسکے کان کو شنوا، اور اس کی آنکھوں کو بینا بنا دے ——— اور سب سے آخر میں فرمایا کہ "فلاح یاب اور بامراد ہوا وہ انسان جس کے دل کو اللہ نے یاد رکھنے والا بنا دیا" ——— مطلب یہ ہے کہ فلاح و سعادت تک پہونچانے والی جو باتیں کان یا آنکھ کے ذریعہ دل میں پہونچیں اُن سے بھی منزلِ سعادت تک جب ہی پہونچا جا سکتا ہے جبکہ دل ان کو محفوظ رکھے اور ان سے برابر کام لیتا رہے، اسلئے انسان کی سعادت اور خوش بختی کی آخری اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قلب اپنا فریضہ اور وظیفہ ٹھیک ٹھیک انجام دیتا رہے۔

قرآن مجید میں بھی جا بجا انسان کی ان تینوں قوتوں (سمع، بصر، قلب) کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے، کہ گویا انسان کی ہدایت اور نجات کا دارومدار انہی تینوں کی سلامتی اور راست روی پر ہے۔

(۹۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ الْاَوْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهٗ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ

قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ ـــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) عمرو بن میمون اَودی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، اَور ان سے جو فائدہ اُٹھانا چاہیئے، وہ اُٹھالو ـــــــ غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے، اَور غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے، اَور غنیمت جانو خوش حالی اَور فراخ دستی کو ناداری اَور تنگدستی سے پہلے، اَور غنیمت جانو فرصت اَور فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اَور غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ انسان کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، اِسلئے اُس کو چاہیئے، کہ جب اللہ تعالیٰ اُسے کچھ عمل کرنے کے قابل اچھی اَور اطمینان کی حالت نصیب فرمائے، تو اس کو غنیمت، اَور پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی نعمت سمجھے، اَور اللہ کی رضا اَور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کر سکتا ہو اُس وقت کرلے، کیا خبر ہے کہ آئندہ کرسکنے کے قابل رہے گا، یا نہیں ـــــــ اگر جوانی کی قوت ملی ہوئی ہے تو بڑھاپے کی کمزوریوں اَور معذوریوں کے آنے سے پہلے اس سے فائدہ اُٹھالے، اگر تندرست و توانا ہے تو بیماری کی مجبوریوں سے پہلے اس سے کام لے لے، اگر خوش حالی اَور رزق کی وسعت اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو افلاس اَور محتاجی آنے سے پہلے اس سے فائدہ حاصل کرلے، اَور اگر کچھ فرصت ملی ہوئی ہے تو مشغولیت اَور پریشان حالی کے دن آنے سے پہلے اس کی قدر کرلے اَور کام لے لے، اَور زندگی کے بعد بہرحال موت ہے جو ہر قسم کے اعمال کا خاتمہ کر دینے والی ہے، اَور اسکے ساتھ توبہ و استغفار کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے، اِسلئے زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت اَور خداداد فرصت سمجھے، اَور اس سے فائدہ اُٹھانے میں غفلت نہ کرے۔

(۹۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا

يَنْتَظِرُ اَحَدُكُمْ اِلَّا غِنًى مُّطْغِيًا اَوْ فَقْرًا مُّنْسِيًا اَوْ مَرَضًا مُّفْسِدًا اَوْ هَرَمًا مُّفَنِّدًا اَوْ مَوْتًا مُّجْهِزًا اَوِ الدَّجَّالَ وَالدَّجَّالُ شَرُّ غَائِبٍ يُّنْتَظَرُ اَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ــــــــــ

(رواه الترمذی والنسائی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم عمل کیلئے انتظار کرتے ہو اُس خوشحالی اور دولت مندی کا جو آدمی کو سرکش کر دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو اُس ناداری اور محتاجی کا جو سب کچھ بھلا دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو حالت بگاڑ دینے والی بیماری کا، یا عقل و حواس کھو دینے والے بڑھاپے کا، یا اچانک آنے والی اور فنا کر دینے والی موت کا، یا تم منتظر ہو دجّال کے ــــ اور دجّال بدترین غائب ہے، جس کا انتظار ہے، یا منتظر ہو قیامت کے، اور قیامت بڑا سخت حادثہ اور بڑا کڑوا گھونٹ ہے۔ (جامع ترمذی وسنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ فرصت اور فراغت کو غنیمت نہیں سمجھتے، اور اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے یعنی رضاءِ الٰہی اور فلاحِ اُخروی کے لئے عملی جد و جہد سے غافل ہو کر تن آسانی میں اپنا وقت گذار رہے ہیں، گویا وہ اِسکے منتظر ہیں کہ مذکورۂ بالا بلاؤں اور آفتوں میں سے جب کوئی بلا اور آفت اُن پر آئے گی، جب وہ جاگیں گے، اور اُسوقت آخرت کی فکر اور تیاری کرینگے۔

(۹۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ ــــــــ رواه الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ قیامت کے دن (جب حساب
کے لئے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی، تو) آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے جبتک کہ
اُس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کرلیا جائے گا ۔۔۔۔۔ ایک اُس کی پوری
زندگی اور عمر کے بارے میں، کہ کن کاموں میں اس کو ختم کیا ۔۔۔۔۔ اور دوسرا
خصوصیت سے اُس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں، کہ کن مشاغل میں
جوانی اور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اور پرانا کیا، اور تیسرا اور چوتھا مال و دولت کے
بارے میں، کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا، اور
کن کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا، اور پانچواں سوال یہ ہوگا، کہ
جو کچھ معلوم تھا اُس کے بارے میں کیا عمل کیا؟۔ (جامع ترمذی)

(ف) ہر شخص اپنی زندگی، اپنی جوانی، اپنے آمد و خرچ، اور اپنے علم و عمل کا دنیا ہی میں
محاسبہ کرے، اور ذرا سوچے، کہ دربارِ خداوندی میں کھڑا کرکے جب مجھ سے سرِ محشر یہ سوالات کئے
جائیں گے، تو میرا حال اور انجام کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے کرم سے آسانی فرمائے،
ورنہ امتحان اپنی نوعیت کے لحاظ سے یقیناً بڑا سخت ہے، اور صرف وہی خوش نصیب بندے
اُس دن رسوائی سے بچ سکیں گے جو اُس گھڑی کے آنے اور اس امتحان گاہ میں پہونچنے سے
پہلے اسی دنیا میں تیاری کرلیں، اور زندگی اس طرح گذاریں کہ اس محاسبہ اور اس امتحان میں
کامیاب اور سرخرو ہوسکیں۔

(۹۳) عَنْ أَبِي جُرَيٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ أَتَيْتُ الْمَدِينَةَ
فَرَأَيْتُ رَجُلًا يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَأْيِهِ لَا يَقُولُ شَيْئًا إِلَّا
صَدَرُوا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا هٰذَا رَسُولُ اللهِ قَالَ
قُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللهِ مَرَّتَيْنِ قَالَ لَا تَقُلْ
عَلَيْكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ قُلِ السَّلَامُ

عليك قلت انت رسول الله؟ فقال انا رسول الله الذي
ان اصابك ضر فدعوته كشفه عنك وان اصابك عام
سنة فدعوته انبتها لك واذا كنت بارض قفراء او فلاة
فضلت راحلتك فدعوته ردها عليك قلت اعهد الي
قال لا تسبن احدا قال فما سببت بعده حرا ولا عبدا
ولا بعيرا ولا شاة قال ولا تحقرن شيئا من المعروف
وان تكلم اخاك وانت منبسط اليه وجهك ان ذالك
من المعروف وارفع ازارك الى نصف الساق فان
ابيت فالى الكعبين واياك واسبال الازار فانها
من المخيلة وان الله لا يحب المخيلة وان امرؤ
شتمك وعيرك بما يعلم فيك فلا تعيره بما تعلم فيه
فانما وبال ذالك عليه ——— رواه ابو داؤد۔

(ترجمہ) ابوجُری جابر بن سُلیم سے روایت ہے کہ میں مدینہ پہونچا (اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اُس وقت کچھ جانتا نہیں تھا) میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اُسکے پاس طالب بن کر حاضر ہوتے ہیں اور وہ اُن کو جو کچھ بتا دیتا ہے اُس کو قبول کر کے چلے جاتے ہیں، جو کچھ بھی اس کی زبان سے نکلتا ہے لوگ اُس کو دل وجان سے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ لوگوں نے مجھے بتایا، کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، پس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا "عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللهِ!" یہ میں نے دو دفعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا: "عَلَيْكَ السَّلَامُ" نہ کہو، یہ مُردوں کا سلام ہے۔ (یعنی اہل جاہلیت اِس طرح مُردوں کو سلام کیا کرتے تھے، بجائے اِس کے)

"السلام علیك" کہو۔ میں نے عرض کیا: ۔ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: ۔ ہاں! میں رسول ہوں اُس اللہ کا جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمھیں کوئی دُکھ اُور تکلیف ہو، اُور تم اُس سے دُعا کرو، تو وہ تمھارے دُکھ کو دُور کر دے، اُور اگر تم پر قحط سالی کی مصیبت آجائے اُور تم اُس سے دعا کرو تو تمھارے لئے وہ زمین سے پیداوار پیدا کر دے، اُور جب تم کسی جنگل بیابان میں اُور لق و دق میدان میں ہو، اُور تمھاری سواری کا جانور وہاں گم ہو جائے، اُور تم اُس سے دعا کرو، تو وہ تمھاری سواری کے اُس جانور کو تمھارے پاس پہونچا دے ——— (حدیث کے راوی جابر بن سُلیم کہتے ہیں کہ) میں نے آپ سے عرض کیا کہ: ۔ مجھے کچھ نصیحت اُور وصیت فرمائیے! ——— آپ نے ارشاد فرمایا: ۔ (تمھیں میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ) تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا، جابر بن سلیم کہتے ہیں اسکے بعد سے میں نے کسی کو بھی گالی نہ دی، نہ کسی آزاد کو نہ غلام کو، نہ اونٹ بکری جیسے کسی جانور کو (اسکے بعد سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مجھے حضورؐ نے یہ نصیحتیں بھی فرمائیں) کسی احسان کو تم حقیر نہ سمجھو، اُور تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ بات کیا کرو یہ بھی ایک طرح کا احسان اُور حُسنِ سلوک ہے، اُور اپنا تہبند آدھی پنڈلیوں تک اونچا رکھو، اگر اتنا اونچا رکھنا منظور نہ ہو تو کم سے کم ٹخنوں تک اونچا رکھو، اُور تہبند کو زیادہ نیچے لٹکانے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے، اُور اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے، اُور اگر کوئی تمھیں گالی دے اُور تمھاری کسی ایسی بُری بات کا ذکر کر کے تم کو عار دلائے، جو وہ تمھارے بارے میں جانتا ہو، تو تم ایسا نہ کرو، اِس صورت میں اُسکی اِس ساری زبان درازی کا پورا وبال اُسی پر ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

(۹۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَّعْمَلُ

بِهِنَّ؟ قُلْتُ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ
اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ
اَغْنَی النَّاسِ وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ
مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُکْثِرِ الضَّحِکَ فَاِنَّ کَثْرَۃَ
الضَّحِکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ ۔۔۔۔۔۔۔ رواہ احمد والترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:۔ کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں، پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے؟۔ میں نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ! میں حاضر ہوں ۔۔۔۔۔ تو آپ نے (ازراہِ شفقت) میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا، اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں ۔۔۔۔۔ فرمایا:۔ جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں اُن سے بچو، اور اُن سے پورا پورا پرہیز کرو، اگر تم نے ایسا کیا، تو تم بہت بڑے عبادت گذار ہو (اور یہ عبادت نفلی عبادت کی کثرت سے افضل ہے) ۔۔۔۔۔ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ:۔ اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اُس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تم بڑے بے نیاز اور دولتمند ہو جاؤ گے ۔۔۔۔۔ اور تیسری بات یہ کہ:۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ایسا کرو گے، تو تم مومنِ کامل ہو جاؤ گے ۔۔۔۔۔ اور چوتھی بات یہ کہ:۔ جو تم اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کیلئے بھی چاہو اور پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے، تو حقیقی مسلم اور پورے پورے مسلمان ہو جاؤ گے ۔۔۔۔۔ اور پانچویں بات یہ ہے کہ:۔ زیادہ مت ہنسا کرو، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پانچ باتیں بتانا چاہتے تھے، آپ نے مخاطبین میں خاص طلب پیدا کرنے کے لئے، اور اُن کے دلوں کو پوری طرح بیدار اور متوجہ کرنے کیلئے پہلے ارشاد فرمایا، کہ :- میں اِس وقت کچھ خاص باتیں بتانا اور سکھانا چاہتا ہوں، تم میں سے کون اِن کو سیکھنا چاہتا ہے، لیکن اُس کو ان باتوں کا یہ حق اُدا کرنا ہوگا کہ وہ خود ان پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی بتلائے، تاکہ وہ بھی عمل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دین کی باتیں سیکھے اُس پر دو حق ہیں، ایک یہ کہ خود ان پر عمل کرے، اور دوسرے یہ کہ اوروں کو پہونچائے اور بتلائے، بلکہ اگر خود پورا عمل نہ کرے، تب بھی دوسروں کو بتانے سے دریغ نہ کرے۔

جو پانچ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تعلیم فرمائیں، وہ بڑی اہم حقیقتیں ہیں۔ پہلی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی، کہ :- بڑا عبادت گذار بندہ وہ ہے جو محرمات اور ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے، اگرچہ زیادہ نفلی نمازیں نہ پڑھتا ہو، نفلی روزے زیادہ نہ رکھتا ہو، ذکر و تسبیح میں بہت زیادہ مشغول نہ رہتا ہو ــــ دوسری بات یہ فرمائی، کہ :- اللہ کی طرف سے جو مقسوم اور مقدر ہے اُس پر راضی ہوجانے سے آدمی کو بڑا اطمینان اور بڑی بے فکری نصیب ہوجاتی ہے ــــ تیسری بات یہ، کہ :- پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمالِ ایمان کی شرط ہے ــــ چوتھی بات یہ، کہ :- کامل مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کا اتنا خیر خواہ اور بہی خواہ ہو، کہ جو اپنے لئے چاہے وہی دوسروں کے لئے چاہے ــــ اور پانچویں بات یہ، کہ :- زیادہ نہ ہنسا جائے، کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ اور بے حس کردیتی ہے۔

اگر اللہ کی توفیق سے اُس کا کوئی بندہ آج بھی ان پانچ باتوں پر کاربند ہوجائے تو دنیا ہی میں وہ جنت کا مزا چکھ لے گا، اس کی زندگی پاک صاف اور بڑے اطمینان والی ہوگی، دور قریب کے لوگ اس سے محبت کریں گے، اس کا دل اللہ کے ذکر سے زندہ اور شاداب ہوگا، اور آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت کی جو نعمتیں اُس کو ملیں گی اُن کی قدر و قیمت اور حقیقی لذت تو

بس وہیں جاکر معلوم ہوگی۔

(۹۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ بِسَبْعٍ، اَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسَاکِیْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَ دُوْنِیْ وَلَا اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقِیْ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصِلَ الرَّحِمَ وَاِنْ اَدْبَرَتْ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَا اَسْاَلَ اَحَدًا شَیْئًا وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا، وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَا اَخَافَ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اُکْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهُنَّ مِنْ کَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ۔

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ مجھے میرے محبوب دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے ___ مجھے آپ نے حکم فرمایا ہے: مساکین اور غرباء سے محبت رکھنے کا، اور اُن سے قریب رہنے کا ___ اور آپ نے حکم فرمایا ہے کہ: دنیا میں اُن لوگوں پر نظر رکھوں جو مجھ سے نیچے درجہ کے ہیں (یعنی جن کے پاس دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے بھی کم ہے) اور اُن پر نظر نہ کروں جو مجھ سے اوپر کے درجہ کے ہیں (یعنی جن کو دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے زیادہ دیا گیا ہے، اور بعض دوسری احادیث میں ہے کہ ایسا کرنے سے بندوں میں صبر و شکر کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور یہ ظاہر بھی ہے) آگے حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ ___ اور مجھے آپ نے حکم دیا ہے، کہ: میں اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں، اور قرابتی رشتہ کو جوڑوں (یعنی اُن کے ساتھ وہ معاملہ اور وہ سلوک کرتا رہوں جو اپنے عزیزوں قریبوں کے ساتھ کرنا چاہئے) اگرچہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کریں ___ اور آپ نے مجھے حکم دیا ہے، کہ: کسی آدمی سے کوئی چیز نہ مانگوں (یعنی اپنی ہر حاجت کے لئے

اللہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور اس کے سوا کسی کے در کا سائل نہ بنوں ———
اور آپ نے مجھے حکم فرمایا، کہ: میں ہر موقع پر حق بات کہوں، اگرچہ وہ لوگوں کیلئے
کڑوی ہو (اور ان کی خواہشات اور اغراض کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں
بُری لگے) ——— اور آپ نے مجھے حکم فرمایا ہے، کہ: میں اللہ کے راستے میں کسی
ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں (یعنی دنیا والے اگرچہ مجھے بُرا کہیں،
لیکن میں وہی کہوں اور وہی کروں جو اللہ کا حکم ہو، اور جس سے اللہ راضی ہو،
اور کسی کے بُرا بھلا کہنے کی مطلق پرواہ نہ کروں) ——— اور آپ نے مجھے حکم فرمایا، کہ:
میں کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" کثرت سے پڑھا کروں، کیونکہ یہ سب
باتیں اُس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے (یعنی یہ اُس خزانے کے قیمتی جواہرات
ہیں، جو عرشِ الٰہی کے نیچے ہے، اور جن کو اللہ ہی جن بندوں کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے
کسی اور کی وہاں تک دسترس نہیں)۔ (مسند احمد)

(تشریح) حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں ہو چکی ہے، یہاں صرف ایک
بات یہ قابلِ ذکر ہے، کہ کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ" جس کی کثرت کی اس حدیث میں تاکید
فرمائی گئی ہے، اس کی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ
"گناہوں سے بچاؤ، اور نیکی کرنے کی قوت، بس اللہ ہی کی توفیق سے بندہ کو ملتی ہے" یعنی اللہ کا
فضل اور اس کی توفیق اگر شاملِ حال نہ ہو، تو بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، اور نہ نیک اعمال
کر سکتا ہے، پس بندہ کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے توفیق اور اس کا فضل مانگتا رہے، اور معصیات
سے بچنا، اور نیک اعمال کا کرنا اگر نصیب ہو، تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھے، بلکہ اللہ کا فضل و کرم جانے
——— واقعہ یہ ہے کہ یہ کلمہ جس حقیقت کو بیان کرتا ہے، اگر اس کے دھیان اور استحضار کے ساتھ
کثرت سے اس کا ورد کیا جائے، تو بندہ کی اصلاح کے لئے اکسیر ہے، اور اس میں بڑی تاثیر ہے،
مشائخ طریقت میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرات شاذلیہ طالبین و سالکین کو اسی کلمہ کی کثرت کی

زیادہ تلقین کرتے ہیں۔

(۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ خَشْيَةِ اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدِ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَا وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ، وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ، وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ، وَاَنْ يَّكُوْنَ صَمْتِیْ فِكْرًا وَّنُطْقِیْ ذِكْرًا، وَنَظَرِیْ عِبْرَةً وَّاٰمُرَ بِالْعُرْفِ وَ قِيْلَ بِالْمَعْرُوْفِ ـــــــــ رواہ رزین۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مجھے میرے پروردگار نے اِن نَو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے ـــــ ایک اللہ سے ڈرنا خلوت میں اور جلوت میں۔ اور عدل و انصاف کی بات کہنا غصہ میں اور رضامندی میں (یعنی ایسا نہ ہو کہ جب کسی سے ناراضی اور اُس پر غصہ ہو تو اُس کی حق تلفی اور اُسکے ساتھ بے انصافی کی جائے، اور جب کسی سے دوستی اور رضامندی ہو تو اُس کی بیجا حمایت اور طرفداری کی جائے، بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف اور اعتدال کی راہ پر چلا جائے)۔ اور حکم فرمایا میانہ روی پر قائم رہنے کا، غریبی و ناداری و فراخدستی و دولتمندی کی دونوں حالتوں میں (یعنی جب اللہ تعالیٰ ناداری اور غریبی میں مبتلا کرے، تو بے صبری اور پریشاں حالی کا اظہار نہ ہو، اور جب وہ فراخدستی اور خوشحالی نصیب فرمائے، تو بندہ اپنی حقیقت کو بھول کر غرور اور سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ الغرض ان دونوں امتحانی حالتوں میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اپنی روش درمیانی رکھی جائے یہی وہ میانہ روی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے۔ (آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اور مجھے حکم فرمایا کہ

میں ان اہلِ قرابت کے ساتھ بھی رشتہ جوڑوں اور ان کے حقوقِ قرابت اچھی طرح ادا کروں جو مجھ سے رشتۂ قرابت توڑیں اور میرے ساتھ بدسلوکی کریں، اور یہ کہ میں اُن لوگوں کو بھی دوں جنھوں نے مجھے محروم رکھا ہو، اور میرا حق مجھے نہ دیا ہو، اور یہ کہ میں ان لوگوں کو معاف کر دوں جنھوں نے مجھ پر ظلم کیا ہو اور مجھے ستایا ہو، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میری خاموشی میں تفکر ہو (یعنی جس وقت میں خاموش ہوں تو اُس وقت سوچنے کی چیزیں سوچوں، اور جو چیزیں قابلِ تفکر ہیں اُن میں غور و تفکر کروں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی آیات، اور مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہے اور اس کا مجھے کیا حکم ہے، اور میرا معاملہ اللہ کے ساتھ اور اسکے احکام کے ساتھ کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے، اور میرا انجام کیا ہونے والا ہے اور مثلاً یہ کہ اللہ کے غافل بندوں کو کس طرح اللہ سے جوڑا جائے، الغرض خاموشی میں اس طرح کا تفکر ہو) ۔ اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میری گفتگو ذکر ہو (یعنی میں جب بھی بولوں، اور جو بھی بولوں اُس کا اللہ سے تعلق ہو، خواہ اس طرح کہ وہ اللہ کی ثنا و صفت ہو، یا اسکے احکام کی تعلیم و تبلیغ ہو، یا اس طرح کہ اس میں اللہ کے احکام اور حدود کی رعایت اور نگہداشت ہو، ان سب صورتوں میں جو گفتگو ہوگی وہ ذکر ہی کے قبیل سے ہوگی) اور مجھے حکم ہے کہ میری نظر عبرت والی نظر ہو (یعنی میں جس چیز کو دیکھوں اس سے سبق اور عبرت حاصل کروں) اور لوگوں کو حکم کروں اچھی باتوں کا ۔ (رزین)

(تشریح) ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں ہو چکی ہے ـــــ صرف ایک بات اور قابلِ ذکر ہے، کہ حدیث کا آخری جز (وَآمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ) اُن نُو باتوں کے علاوہ ہے، گویا حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص نُو حکم بیان فرمانے کے بعد جو آپ اس موقع پر بیان فرمانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ایک اور اہم حکم بھی بیان فرما دیا، جس کے لئے آپ نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے خاص طور سے

مامور ہیں، اور وہ آپ کا خاص الخاص فرضِ منصبی ہے، یعنی "امر بالمعروف" جس میں نہی عن المنکر بھی داخل ہے، کیونکہ وہ دراصل امر بالمعروف ہی کی منفی صورت ہے ——— یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث بھی بڑی اہم تعلیمات کی جامع ہیں، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عمل نصیب فرماویں، تو اصلاح و تزکیہ کے لئے یہی دو حدیثیں کافی ہیں۔

(۹۷) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ، قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ، وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَھْلِكَ وَمَالِكَ، وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ اللّٰہِ، وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّہٗ رَاْسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ، وَاِیَّاكَ وَالْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَۃِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰہِ، وَاِیَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ ھَلَكَ النَّاسُ، وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِیْھِمْ فَاثْبُتْ، وَاَنْفِقْ عَلٰی عِیَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْھُمْ عَصَاكَ اَدَبًا، وَاَخِفْھُمْ فِی اللّٰہِ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایا:- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگرچہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلا ڈالا جائے ——— اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال چھوڑ کے نکل جاؤ ——— اور کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصداً چھوڑ دی، اُس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا ———

اور ہرگز کبھی شراب نہ پیو، کیونکہ شراب نوشی سارے فواحش کی جڑ بنیاد ہے،

(اسی لئے اس کو ام الخبائث کہا گیا ہے)۔ اور ہر گناہ سے بچو، کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔ اور جہاد کے معرکہ سے پیٹھ پھیر کے نہ بھاگو، اگرچہ کشتوں کے پشتے لگ رہے ہوں۔ اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو، اور وہاں (کسی وبائی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے، تو تم وہیں جمے رہو (جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاگو)۔ اور اپنے اہل و عیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو (نہ بخل سے کام لو کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے اُن کو تکلیف ہو، اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھو)۔ اور ادب دینے کے لئے اُن پر (حسب ضرورت و موقع) سختی بھی کیا کرو۔ اور اُن کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔ (مسند احمد)

(تشریح) حدیث اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ تاہم چند باتیں قابل ذکر ہیں، شریعت کا مشہور و معروف مسئلہ ہے، اور قرآن مجید میں بھی اس کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو شرک و کفر پر مجبور کیا جائے، اور اندازہ یہ ہو کہ اگر میں انکار پر ہی قائم رہوں گا، تو مار ڈالا جاؤں گا، تو ایسے موقع پر اس کی اجازت ہے کہ صرف زبان سے شرک و کفر کا اظہار کر کے اُس وقت جان بچالی جائے ـــــ لیکن عزیمت اور افضل یہ ہے کہ زبان سے بھی شرک و کفر کا اظہار نہ کرے، اگرچہ جان چلی جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ چونکہ خواص میں سے تھے، اس لئے حضورؐ نے اُن کو نصیحت فرمائی، کہ وہ ایسے موقع پر عزیمت ہی پر عمل کریں، اور جان کی پروا نہ کریں۔ ـــــ اسی طرح والدین کی اطاعت کے بارے میں جو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ :- اگر وہ اہل و عیال اور اپنا کمایا ہوا سارا مال چھوڑ کے نکل جانے کو کہیں، تب بھی ان کی نافرمانی نہ کرو، یہ بھی ولی اور افضل کا بیان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ اُن کے سخت سے سخت حکم اور ناگوار سے ناگوار حکم کو بھی مانے ـــــ ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ ـــــ ماں باپ کے ایسے سخت اور ناواجب مطالبات کا پورا کرنا اولاد پر شرعاً واجب نہیں ہے، ہاں اگر رضا کارانہ طور پر اولاد ایسا کرے،

(اور کسی دوسرے کی اس میں حق تلفی نہ ہو) تو افضل ہے اور بڑی بلند بات ہے۔
نماز کے متعلق آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک فرض نماز قصداً ترک کی، اُس کیلئے اللہ کا عہد و ذمہ نہیں رہا ـــــ یہ اُن حدیثوں میں سے ایک ہے جن کی بنا پر حضرت امام شافعیؒ اور بعض دوسرے ائمہ نے تارک صلوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حاکم اسلام اس کو جو سزا دینا مناسب سمجھے دے اور قید کرے، اللہ کے عہد و ذمہ کی برأت کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ عمداً فرض نماز چھوڑنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، اور یہ گناہ اگر عین کفر نہیں ہے تو قریب بہ کفر ضرور ہے۔
ـــــ حضورؐ کی اس جامع وصیت کے آخری حصہ کا تعلق اولاد کی خبر گیری اور ان کی تادیب و تربیت سے ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم حضورؐ کی بالکل آخری وصیت یہ ہے "واخفهم في الله" یعنی تمہارے ذمہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے رہو، اس کے لئے جو تدبیریں بھی کرنی پڑیں وہ گویا ہمارے فرائض میں سے ہیں، اور ہم اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔

(۹۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا اِلَى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ يُبْكِيْنِيْ شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادٰى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوْا لَمْ يُفْتَقَدُوْا وَاِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُقَرَّبُوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ ـــــ

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن مسجد نبوی میں آئے، وہاں انھوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا، تمھارے اِس رونے کا سبب کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ: مجھے ایک بات رُلا رہی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی میں نے آپ سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے کہ: تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، اور جس شخص نے اللہ کے کسی دوست سے دشمنی کی، تو اُسنے خود اللہ کو جنگ کی دعوت دی، اور بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن نیکوکار متقی بندوں سے جو ایسے چھپے ہوئے اور نامعروف ہوں کہ جب غائب ہوں تو کوئی ان کو تلاش نہ کرے، اور حاضر ہوں تو کوئی اُن کو دعوت دے کر اپنے پاس نہ بلائے، اُن کے دل ہدایت کے روشن چراغ ہیں نکل جاتے ہیں کالی آندھیوں میں سے۔

(سنن ابن ماجہ وشعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جس کو یاد کرکے وہ رو رہے تھے، چند اجزاء پر مشتمل ہے۔

پہلی بات یہ تھی کہ حضورؐ نے فرمایا، کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، درحقیقت تنہا یہی بات اُن بندوں کو رلانے کے لئے کافی ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، اور وہ شرک کی شناعت و قباحت کو بھی جانتے ہوں ـــــ کیونکہ خفی اور باریک قسم کے ریا سے بچنا اُن بندوں کیلئے بھی بہت مشکل ہے جو اُس سے بچنے کی فکر اور کوشش بھی کرتے ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ اپنے عمل کو ریا وغیرہ سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن پھر اُس کو محسوس ہوتا ہے کہ ریا کی کچھ لگاوٹ آہی گئی، عارفین کا یہ عام حال ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں اور بعد میں یہ محسوس کرکے روتے ہیں کہ جس اخلاص کے ساتھ عمل ہونا چاہیئے وہ نصیب نہیں ہوا۔

غالباً حضرت معاذ کے اس رونے میں بھی اس احساس کو دخل تھا۔ حضرت معاذ کا بیان ہے، کہ ریا کے متعلق اس انتباہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری تنبیہ یہ فرمائی تھی، کہ جن بندوں کا اللہ سے خاص تعلق ہو اُن کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے، جو کوئی اُن خاصانِ خدا سے دشمنی کرتا ہے وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کو جنگ کی دعوت دیتا ہے، اور اُس کے غضب اور عذاب سے کھیلنا چاہتا ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا، کہ یاد رکھو وہ بندے محبوبانِ بارگاہِ خداوندی ہیں جو نیکوکار اور تقویٰ شعار ہیں، لیکن اسبابِ شہرت سے بچنے کی وجہ سے کوئی اُن کے اس امتیاز کو جانتا بھی نہیں، وہ ایسے گمنام اور نامعروف ہیں کہ غائب ہوں تو کسی کو اُن کی فکر اور تلاش نہ ہو، اور موجود ہوں تو کوئی اُن کو مدعو نہ کرے، اُن کے دل روشن بلکہ دوسرے کو روشنی دینے والے چراغ ہیں، اور وہ اپنے دل کی اس روشنی کی وجہ سے فتنوں کی سخت سے سخت اندھیریوں میں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے میں غالباً اِن کے اس احساس کو بھی دخل ہوگا کہ افسوس ہم ایسے گمنام اور نامعروف نہیں رہے، اور ہماری زندگی ایسی غربت اور کس مپرسی کی نہیں رہی، اور ممکن ہے یہ بھی احساس ہو کہ اللہ کے کسی ایسے مستور الحال بندے کی مجھ سے کوئی حق تلفی نہ ہوگئی ہو، اور اُس کو میری ذات سے کوئی ایذا کبھی نہ پہنچ گئی ہو۔

(۹۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْصِنِیْ! قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ قُلْتُ زِدْنِیْ!

[1] اکثر شارحینِ مشکوٰۃ نے حدیث کے آخری فقرے "یَخْرُجُوْنَ مِنْ کُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَۃٍ" کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ "اللہ کے وہ بندے تاریک اور گرد آلود مکانوں میں سے برآمد ہوتے ہیں، یعنی اُن کے رہنے کے مکانات اندھیرے اور گرد آلود ہوتے ہیں"۔ اس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ "غبراء مظلمۃ" سے مراد فتنوں کی کالی آندھیاں ہیں، اسلئے اس عاجز نے ترجمہ اور تشریح میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ عَلَيْكَ بِطُولِ الصَّمْتِ فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ، قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ إِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضَّحِكِ فَإِنَّهُ يُمِيتُ الْقَلْبَ وَيَذْهَبُ بِنُورِ الْوَجْهِ، قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا، قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ لِيَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ ______

(رواه البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:- میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اسکے بعد (یا تو خود حضرت ابوذر نے، یا ان سے روایت کرنے والے نیچے کے راوی نے) ایک طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے) اسی سلسلۂ کلام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا، کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- میں تم کو وصیت کرتا ہوں، اللہ کے تقوے کی، کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کردینے والا اور سنوار دینے والا ہے تمھارے سارے کاموں کو۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، کہ، حضرت! اور وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو لازم پکڑلو، کیونکہ یہ تلاوت اور ذکر ذریعہ ہوگا آسمان میں تمھارے ذکر کا، اور اس زمین میں نور ہوگا تمھارے لئے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا: حضرت مجھے کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت اختیار کرو، کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرنے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد

دینے والی ہے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا۔ مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:۔ زیادہ ہنسنا چھوڑ دو کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ کر دیتی ہے، اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ، حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ہمیشہ حق اور سچی بات کہو اگرچہ (لوگوں کے لئے) ناخوشگوار اور کڑوی ہو۔ میں نے عرض کیا:۔ مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:۔ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تم جو کچھ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو، چاہیئے کہ وہ تم کو باز رکھے دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے۔ (شعب الایمان البیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اکثری عادت مبارکہ کے مطابق سب سے پہلی وصیت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تقوے کی فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ تقویٰ تمہارے سارے کاموں کو بہت مزین اور آراستہ کر دینے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی تقوے کو اپنا شعار بنالے، تو اس کی ساری زندگی اطاعت اور بندگی والی زندگی ہو جائے گی، اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی آراستہ ہو جائے گا ——— پھر آپ نے تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی کثرت کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔ اسکے نتیجہ میں آسمانوں میں یعنی ملاء اعلیٰ میں تمہارا ذکر ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے، کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) تلاوت و ذکر کی دوسری برکت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اس سے اسی دنیا اور اسی زمین میں ایک نور تم کو حاصل ہوگا، ذکر و تلاوت سے پیدا ہونے والا نور در اصل تو بندہ کے باطن میں پیدا ہوتا ہے لیکن اسکے آثار ظاہر میں بھی محسوس ہوتے ہیں۔

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:- یہ وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان دفع ہو سکتا ہے، اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے جس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ شیطان آدمی کے دین کو سب سے زیادہ نقصان زبان ہی کے راستے سے پہونچا سکتا ہے، جھوٹ غیبت، بہتان، گالی گلوج، چغل خوری وغیرہ یہی وہ گناہ ہیں جن میں آدمی سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:- "آدمیوں کو جہنم میں منھ کے بل اُن کی زبانوں کی بیباکیاں ہی ڈلوائیں گی"۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت ڈال لے، وہ اپنے کو اور اپنے دین کو شیطان کے حملوں سے زیادہ محفوظ رکھ سکے گا، واضح رہے کہ زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کے کرنے کی ضرورت نہ ہو اور جس پر آخرت میں ثواب ملنے کی امید نہ ہو، اس سے زبان کو روکا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی باتیں بھی نہ کی جائیں۔ کتاب الایمان میں یہ حدیث گذر چکی ہے، کہ:- جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اسکے بعد آپ نے زیادہ نہ ہنسنے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ:- اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے، اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے۔ دل کے مرجانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں غفلت اور بے حسی اور ایک طرح کی ظلمت آجاتی ہے، اور اس کا اثر ظاہر پر یہ پڑتا ہے کہ چہرہ پر وہ نور باقی نہیں رہتا جو زندہ اور بیدار دل رکھنے والے اہل ایمان کے چہروں پر ہوتا ہے۔

اس سلسلۂ کلام میں آپ نے سب سے آخری نصیحت حضرت ابوذر کو یہ فرمائی، کہ:- اپنے عیبوں اور گناہوں کے بارے میں جو کچھ تم جانتے ہو، اس کی فکر تم کو اتنی ہونی چاہئے کہ دوسرے بندوں کے عیوب و ذنوب کو دیکھنے اور ان کی باتیں کرنے کی تم کو فرصت ہی نہ ہو، بلاشبہ جو بندہ بھی اپنے عیوب اور اپنے گناہوں پر نظر رکھے گا، اور اپنے نفس کا ایک سچے مومن کی طرح احتساب کرتا رہے گا، اُسے دوسروں کے معائب اور معاصی نظر ہی نہ آئیں گے، اور وہ اپنے ہی کو

سب سے زیادہ قصوروار اور گناہگار سمجھے گا، دوسروں کے عیوب اُن ہی کو زیادہ نظر آتے ہیں، جو اپنی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔ ؎

غافل اند ایں خلق از خود بے خبر
لاجرم گویند عیبِ یکدگر

(۱۰۰) عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَ اَنِ اكْتُبِيْ اِلَيَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِيْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِيْ فَكَتَبَتْ سَلَامٌ عَلَيْكَ، اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مَؤُوْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا، اور اس میں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیں، لیکن بات مختصر اور جامع ہو، بہت زیادہ نہ ہو ____ تو حضرت ام المومنین نے اُن کو یہ مختصر خط لکھا:۔

سلام ہو تم پر ____ امابعد ____ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے جو کوئی اللہ کو راضی کرنا چاہے لوگوں کو اپنے سے خفا کر کے تو اللہ مستغنی کر دے گا اسکو لوگوں کی فکر اور بار برداری سے اور خود اس کیلئے کافی ہو جائیگا اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کر کے، تو اللہ اس کو سپرد کر دے گا لوگوں کے ____ والسلام

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس دنیا میں رہنے والے انسانوں اور خاصکر وسیع تعلقات اور وسیع ذمہ داریاں رکھنے والے لوگوں کو بکثرت ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر وہ ایسا رویہ اختیار کریں جس سے اللہ کی رضا کی امید ہو، تو بہت سے وہ لوگ خفا ہوتے ہیں جن سے تعلقات ہیں اور منفعت کی امیدیں ہیں، اور جن سے برابر کام نکلتے رہتے ہیں، اور اگر وہ ان لوگوں کی منشا کے مطابق چلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ ایسے وقت کے لئے اس حدیث میں یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا والا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات و حاجات کا خود کفیل ہو جائے گا، اور بندوں سے جن منافع کی وہ امید رکھتا ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر اُس نے رضاء الٰہی کی فکر و تلاش کو چھوڑ کر بندوں کو راضی رکھنا چاہا اور اُن کی منشا کے مطابق چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت و نصرت سے محروم کر دیں گے اور ان بندوں ہی کے حوالہ کر دیں گے جو اپنی ذات سے خود بھی اسی بندہ کی طرح محتاج اور بے بس ہیں۔

حاصل یہ کہ اگر بندہ یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس کی حاجات و ضروریات کے کفیل ہو جائیں، تو اسے چاہئے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی اور صرف اللہ کی رضا جوئی کو اپنا نصب العین اور اصولِ حیات بنائے، اور اس کے قلبِ مومن کی صدا یہ ہو۔ ؎

با خدا داریم کار و با خلائق کار نیست

یہ نصیحت اگرچہ لفظوں میں مختصر ہے، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ معنی و مقصد کے لحاظ سے ایک پورا دفتر ہے۔

کتاب الاخلاق

دین میں اخلاق کا درجہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاقِ حسنہ اختیار کرے، اور بُرے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے (وَيُزَكِّيهِمْ) اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے، کہ: میں اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اصلاحِ اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے ______ اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گذرے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق بُرے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرّت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا، ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی ______ یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ نقد دنیوی نتیجے ہیں جن کا ہم آپ روزمرّہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد

والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ اللھم احفظنا۔

اخلاق کی اصلاح کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں وہ دو طرح کے ہیں، ایک وہ جن میں آپ نے اصولی طور پر حسن اخلاق پر زور دیا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہے، اور دوسرے وہ جن میں آپ نے بعض خاص خاص اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض مخصوص بداخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ پہلے ہم قسم اول کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہاں درج کریں گے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت:-

(۱۰۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا ـــــــ (رواه البخاري ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

(بخاری و مسلم)

(۱۰۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ـــــــ رواه ابوداؤد والدارمی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔

(ابوداؤد، دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اُس کے اخلاق لازمًا بہت اچھے ہوں گے، اور علیٰ ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے اُس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا ____ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتّٰی کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہر عمل اور ہر نیکی کے لئے ایمان بمنزلۂ روح اور جان کے ہے اس لئے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے، تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے، بلکہ اخلاق کی صورت ہے، اسلئے اللہ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہے۔

(۱۰۳) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَثْقَلَ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِي مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ ____ رواہ ابوداؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اسکے اچھے اخلاق ہوں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(۱۰۴) عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا خَيْرُ مَا اُعْطِيَ الْاِنْسَانُ؟ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ ____

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان والبغوی فی شرح السنۃ عن اسامۃ بن شریک)

(ترجمہ) قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا، کہ یارسول اللہ! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اچھے اخلاق" ____ (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنہ میں اس حدیث کو اسامہ بن شریک صحابی سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) ان حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اخلاق حسنہ کا درجہ ایمان یا ارکان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ صحابہ کرام جو ان ارشادات کے مخاطب تھے اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے یہ تو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ دین کے شعبوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان اور توحید کا ہے اور اس کے بعد ارکان کا مقام ہے۔ پھر ان کے بعد دینی زندگی کے جو مختلف اجزاء رہتے ہیں اُن میں مختلف جہات سے بعض کو بعض پر فوقیت اور امتیاز حاصل ہے اور بلاشبہ اخلاق کا مقام بہت بلند ہے، اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص الخاص دخل ہے۔

(۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ ـــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ صاحبِ ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھتے ہوں، اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مومن ہو، اور ساتھ ہی اس کو حُسنِ اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو، تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو، اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ اپنے حُسنِ اخلاق کی وجہ سے اُن شب بیداروں عبادت گذاروں کا درجہ پائے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

(۱۰۶) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ آخِرُ مَا وَصَّانِيْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَعْتُ رِجْلِيْ فِي الْغَرْزِ أَنْ قَالَ يَا مُعَاذُ أَحْسِنْ

خُلُقَكَ لِلنَّاسِ ______ رواہ مالک

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا، وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا:۔ لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مؤطا امام مالک)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، مدینہ طیبہ سے اُن کو رخصت کرتے وقت آپ نے خاص اہتمام سے بہت سی نصیحتیں کی تھیں جو حضرت معاذ سے مختلف ابواب میں مروی ہیں۔ حضرت معاذ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے، اور ان کا مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی سواری پر سوار ہونے لگا، اور اس کی رکاب میں میں نے پاؤں رکھا تو اس وقت آخری نصیحت حضورؐ نے مجھ سے یہ فرمائی تھی کہ:۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو عادی مجرم اور ظلم پیشہ بد معاش سختی کے مستحق ہوں اور سختی کے بغیر ان کا علاج نہ ہو سکتا ہو ان کے ساتھ بھی نرمی کی جائے یہ تو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور مداہنت ہوگی۔ بہر حال عدل و انصاف اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں اُن پر سختی کرنا کسی اخلاقی قانون میں بھی حُسنِ اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

(ف) یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت معاذ کو یمن رخصت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔ شاید اسکے بعد مجھ سے تمھاری ملاقات نہ ہو اور بجائے میرے میری مسجد اور میری قبر پر تمھارا گذر ہو ______ اور چونکہ آپ کی عام عادت ایسی بات کرنے کی نہ تھی، اسلئے حضرت معاذ نے اس سے یہی سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور شاید اب مجھے اس دنیا میں حضورؐ کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کا

یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ان کو تسلی دی، کہ: اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا (اللہ کے متقی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے) اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذ کی واپسی حضورؐ کی حیات مبارکہ میں نہیں ہوئی، اور جب آئے تو آپ کی قبر مبارک ہی کو پایا۔

(۱۰۷) عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ ——— رواہ فی الموطا ورواہ احمد عن ابی ھریرۃ۔

(ترجمہ) حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ مجھے حضورؐ کی یہ حدیث پہونچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہونچا دوں ——— (امام مالکؒ نے اس کو اپنی موطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے، اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اس کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جزء ہے۔

(۱۰۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَیَّ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ "اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِكُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَحْسَنَكُمْ

اخلاقاً۔ (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن اُن ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حُسنِ اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

حُسنِ اخلاق کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بھی پڑھ لیجیے، اور اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کیجیے۔

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِيْ فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ ———— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے "اے میرے اللہ! تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کر دے"۔

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حُسنِ اخلاق کی دعا بہت سے موقعوں پر مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے، انشاء اللہ کتاب الدعوات میں آپ کی وہ دعائیں نقل کی جائیں گی ———— یہاں ان میں سے صرف ایک دعا اور بھی پڑھ لیجیے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کی کچھ تفصیل روایت کی گئی ہے، اسی میں ہے کہ آپ نے دورانِ نماز میں جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگیں اُن میں سے ایک دُعا یہ بھی تھی۔

وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ	اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر
لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا	اخلاق کی رہنمائی کر تیرے سوا کوئی
اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا	بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کر سکتا،
لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا	اور بُرے اخلاق کو میری طرف سے

لا اِلٰہ اِلّا اَنتَ ـــــــــــــ ہٹا دے ان کو تیرے سوا کوئی ہٹا بھی نہیں سکتا۔

یہ حدیثیں حُسنِ اخلاق کی فضیلت و اہمیت سے متعلق تھیں، اب آگے مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات درج ہوں گے جن میں آپ نے خاص خاص اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دی ہے، یا بُرے اخلاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اچھے اخلاق اور بُرے اخلاق

رحمدلی اور بے رحمی :-

رحمت ــــــ دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اور رحمٰن اور رحیم اسکے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا عکس ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں، اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اسی قدر محروم رہنے والے ہیں۔

دوسروں پر رحم کھانیوالے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں :-

(۱۱۰) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ ــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: - وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لئے رحم نہیں اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) اس حدیث میں "النّاس" کا لفظ عام ہے، جو مومن وکافر اور متقی وفاجر سب کو شامل ہے، اور بلاشبہ رحم سب کا حق ہے، البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمدلی کا تقاضا

بڑا تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ اسکے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو، اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اسکے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہے، اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

(۱۱۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ ——— رواہ ابوداؤد والترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا، زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کرے گا (سنن ابی داؤد وجامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نیک دل بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لئے رحم ہے۔

اس حدیث میں زمین میں رہنے بسنے والی اللہ کی ساری مخلوق پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس میں انسانوں کے تمام طبقوں کے علاوہ جانور بھی شامل ہیں، آگے آنے والی حدیثوں میں اس عموم کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

ایک شخص پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بخشدیا گیا:۔

(۱۱۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيْقٍ اِشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَاْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ

مَثَلُ الَّذِیْ كَانَ بَلَغَ بِیْ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهٗ ثُمَّ اَمْسَكَهٗ بِفِیْهِ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فِیْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اس اثناء میں کہ ایک آدمی راستہ چلا جا رہا تھا، اُسے سخت پیاس لگی، چلتے چلتے اُسے ایک کنواں ملا، وہ اُسکے اندر اُترا، اور پانی پی کر باہر نکل آیا۔ کنوئیں کے اندر سے نکل کر اُسنے دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ کیچڑ کھا رہا ہے، اُس آدمی نے دل میں کہا کہ اِس کتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسی کہ مجھے تھی، اور وہ اُس کتے پر رحم کھا کر پھر اُس کنوئیں میں اُترا، اور اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اُسنے اُس کو اپنے مُنہ سے تھاما، اور کنوئیں سے نکل آیا، اور اُس کتے کو وہ پانی اُسنے پلا دیا، اللہ تعالیٰ نے اُس کی اِس رحمدلی اور اِس محنت کی قدر فرمائی اور اِسی عمل پر اُس کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا ــــــ بعض صحابہ نے حضورؐ سے یہ واقعہ سُن کر دریافت کیا، کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا جانوروں کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لئے اجر و ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور کی تکلیف دور کرنے میں ثواب ہے۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) بعض اوقات ایک معمولی عمل دل کی خاص کیفیت یا خاص حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قبولیت حاصل کر لیتا ہے، اور اُس کا کرنے والا اُسی پر بخشدیا جاتا ہے، اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اُس کی نوعیت بھی یہی ہے ۔ آپ ذرا سوچئے! ایک شخص گرمی کے موسم میں اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا ہے، اُس کو پیاس لگی ہے، اِسی حالت میں اُس کو ایک کنواں

نظر پڑ گیا، لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان رسی ڈول وغیرہ وہاں نہیں ہے اِسلئے مجبوراً یہ شخص پانی پینے کے لئے خود ہی کنوئیں میں اُتر گیا، وہیں پانی پیا اُور نکل آیا، اَب اُس کی نظر ایک کتے پر پڑی، جو پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا، اُس کو اُس کی حالت پر ترس آیا، اُور دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو بھی پانی پلاؤں، اُس وقت ایک طرف اس کی اپنی حالت کا تقاضا یہ ہوگا کہ اپنا راستہ لوں، اُور منزل پر جلدی پہونچ کے آرام کروں، اُور دوسری طرف اُسکے جذبۂ رحم کا داعیہ یہ ہوگا کہ خواہ میرا راستہ کھوٹا ہو، اور خواہ کنوئیں سے پانی نکالنے میں مجھے کیسی ہی محنت و مشقت کرنی پڑے لیکن میں اللہ کی اس مخلوق کو پیاس کی تکلیف سے نجات دوں، اِس کشمکش کے بعد جب اُس نے اپنی طبیعت کے آرام کے تقاضے کے خلاف جذبۂ رحم کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کیا اُور کنوئیں میں اُتر کر موزے میں پانی بھر کر اُور مُنھ میں موزا تھام کر محنت و مشقت سے پانی نکال کے لایا، اُور اُس پیاسے کتے کو پلایا، تو اُس بندہ کی اس خاص حالت اُور اَدا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آگیا، اُور اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔

الغرض مغفرت و بخشش کے اِس فیصلہ کا تعلق صرف کتے کو پانی پلانے کے عمل ہی سے نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ جس خاص حالت میں اُور جس جذبہ کے ساتھ اُسنے یہ عمل کیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا، اُور اسی پر اس بندہ کی مغفرت اُور بخشش کا فیصلہ کر دیا گیا۔

(۱۱۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا فِيْهِ جَمَلٌ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَاَتَاهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ اَفَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِيْ مَلَّكَكَ اللّٰهُ اِيَّاهَا؟ فَاِنَّهُ شَكٰى اِلَيَّ اَنَّكَ تُجِيْعُهُ وَتُدْئِبُهُ ـــــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ تھا، جب اُس اونٹ نے آپ کو دیکھا، تو ایسا ڈکرایا اور ایسی درد بھری آواز اُسنے نکالی جیسی بچے کے جدا ہو جانے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے قریب تشریف لیگئے، اور آپ نے اس کی کنوتیوں پر اپنا دستِ شفقت پھیرا (جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پر پیار کرتے وقت ہاتھ پھیرا جاتا ہے) وہ اونٹ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ:- یہ اونٹ کس کا ہے؟ اِس کا مالک کون ہے؟- ایک انصاری نوجوان آئے اور انھوں نے عرض کیا، حضرت! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس بیچارے بے زبان جانور کے بارہ میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے اسنے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اِس کو بھوکا رکھتے ہو، اور زیادہ کام لے کر تم اِس کو بہت دکھ پہونچاتے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزانہ طور پر پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے (وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانوروں کی بات چیت معجزانہ طور پر سمجھ لیتے تھے ——

اِس حدیث میں اونٹ کی شکایت کو سمجھنے کا، اور اس سے بعد والی حدیث میں ایک چڑیا کی شکایت کو سمجھنے کا جو ذکر ہے، بظاہر وہ اِسی قبیل سے ہے، اور گویا حضورؐ کا ایک معجزہ ہے ——

حدیث کی خاص تعلیم یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی جانور ہو، اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُسکے کھلانے پلانے سے غافل نہ ہو، اور اُس پر کام کا بوجھ بھی اُس کی قوت سے زیادہ نہ ڈالے۔

دنیا نے "انسدادِ بے رحمی" کی ذمہ داری کو اب کچھ سمجھا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب سے قریباً چودہ سو برس پہلے دنیا کو یہ سکھایا تھا۔

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَاَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ فَجَاءَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا ـــــ وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا فَقَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ؟ قُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِىْ اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ ـــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے، اس اثنا میں ہماری نظر ایک چھوٹی سی سُرخ چڑیا (غالباً نیل کنٹھ) پر پڑی جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اُس کے دو بچے بھی تھے ہم نے اُن بچوں کو پکڑ لیا، وہ چڑیا آئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا:۔ کس نے اسکے بچے پکڑ کے اِسے ستایا ہے؟ اِسکے بچے اس کو واپس کردو ـــــ اور آپ نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چیونٹیوں کے بہت سوراخ تھے اور چیونٹیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگا دی تھی۔ آپ نے فرمایا:۔ کس نے اِن کو آگ سے جلایا ہے؟۔ ہم نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ ہم نے ہی یہ آگ لگائی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ آگ کے پیدا کرنے والے خدا کے سوا کسی کے لئے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔

(سنن ابوداؤد)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جانوروں حتّٰی کہ زمین کی چیونٹیوں کا بھی حق ہے

کہ اُن کو بلا وجہ نہ ستایا جائے۔

(۱۱۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَتِ امْرَأَۃٌ النَّارَ فِیْ ھِرَّۃٍ رَبَطَتْھَا فَلَمْ تُطْعِمْھَا وَلَمْ تَدَعْھَا تَأْکُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:- ایک بے درد اور بے رحم عورت اسلئے جہنم میں ڈالی گئی کہ اُسنے ایک بلّی کو باندھ کے (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اُسے خود کچھ کھانے کو دیا، اور نہ اُسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کرلیتی۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) حضرت جابر کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے درد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں، یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں بچشم خود مبتلائے عذاب دیکھا۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بیدردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!۔

(۱۱۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَۃُ اِلَّا مِنْ شَقِیٍّ ــــــ

(رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، کہ میں نے صادق و مصدوق سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ نہیں نکالا جاتا رحمت کا مادہ مگر بدبخت کے دل سے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بدبخت اور بے نصیب ہے کیونکہ کسی بدبخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔

(۱۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَكَا اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْیَتِیْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِیْنَ ـــــــ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوتِ قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو، اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

(مسند احمد)

(تشریح) سخت دلی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بدبختی کی نشانی ہے، سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل اور اپنی روح کی اس بیماری کا حال عرض کر کے آپ سے علاج دریافت کیا تھا، آپ نے ان کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی، ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو، اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا یہ علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ حضورؐ کے اس ارشاد سے اُس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے، وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو، اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے، تو ایک تدبیر اُس کی یہ بھی ہے، کہ اُس کیفیت کے آثار اور لوازم کو وہ اختیار کر لے، انشاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہو جائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کثرتِ ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے، اُس کی بنیاد بھی اِسی اصول پر ہے۔

بہرحال یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور مسکین کو کھانا کھلانا دراصل جذبۂ رحم کے آثار میں سے ہے،

لیکن جب کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو، وہ اگر یہ عمل تکلف ہی کرنے لگے تو انشاءاللہ اُس کے قلب میں بھی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سخاوت اور بخل :-

سخاوت یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا، اور دوسروں کے کام نکالنا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے۔ جس طرح بخل اور کنجوسی یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا، اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دلی ہی کی ایک خاص صورت ہے ——— ان دونوں کے بارہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سُنئیے :-

(۱۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ ـــ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ ——— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- سخی بندہ اللہ سے قریب ہے (یعنی اُس کو قربِ خداوندی حاصل ہے) نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے (یعنی اللہ کے بندے اس کی سخاوت کی صفت کی وجہ سے اس سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں، اور اُس کے ساتھ لگے رہتے ہیں) اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے ——— اور بخیل اور کنجوس آدمی اللہ سے دور یعنی قربِ خداوندی کی نعمت سے محروم ہے، اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے (کیونکہ اس کی کنجوسی کی وجہ سے وہ اس سے الگ اور بے تعلق رہتے ہیں) اور جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے، اور بلاشبہ ایک

بے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گذار کنجوس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(۱۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْكَ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو، میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشور ازلی ہے کہ جو بندے اپنی کمائی اور اپنی محنت دوسرے ضرورت مندوں پر صرف کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے اُن کو برابر عطا فرماتا رہے گا، اور وہ ہمیشہ فقر وفاقہ کی تکلیف سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

(۱۲۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا ــــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو، اور آپ نے جواب میں نہیں فرمایا ہو۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو "نہیں" کہہ کر واپس نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ ہر سائل کو دیا، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس نہ ہوا، تو آپ نے قرض منگوا کر دیا۔

(۱۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عِنْدِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اَرْصُدُهُ لِدَیْنٍ ــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر میرے پاس احد پہاڑ برابر بھی سونا ہو، تو میری خوشی یہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گذریں، کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو، بجز اسکے کہ میں کسی قرض کی ادائیگی کے لئے اس میں سے کچھ روک لوں۔

(بخاری ومسلم)

(۱۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا ـــــــ

(رواہ النسائی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حرص وبخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی بخیلی وکنجوسی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں)۔ (سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور بخل کی عادت میں ایسی منافات ہے کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں بخل نہیں آسکتا، اور جس میں بخل دیکھا جائے، تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے ــــــ ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر کامل ایمان ویقین کے بعد دل میں بخل اور کنجوسی جیسی کسی خصلت کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔

(۱۲۳) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ ـــــــ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ دھوکہ باز، بخیل اور احسان

جتانے والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔ (جامع ترمذی)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں بُری خصلتیں (دھوکہ بازی، کنجوسی اور احسان کر کے جتانا) اُن خطرناک اور تباہ کن عادات میں سے ہیں جو جنت کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہیں، اسلئے جو بندے جنت کے شائق اور دوزخ سے خائف ہوں، اُن کو چاہئے کہ ان عادتوں سے اپنی حفاظت کریں۔

انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا:۔

رحم دلی کی جڑ سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصوروار کو معاف کر دیا جائے، اور اس سے انتقام نہ لیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو بھی اس کی خاص طور سے ترغیب دیتے تھے ــــــ چند ہی ورق پہلے "کتاب الرقاق" کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے، اور اُن میں ایک بات آپ نے یہ ذکر فرمائی کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے، میں اُس کو معاف کر دیا کروں ــــــ اس سلسلہ کی ایک دو حدیثیں یہاں اور بھی پڑھ لیجیے:۔

(۱۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَتَمَ اَبَا بَکْرٍ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ یَتَعَجَّبُ وَیَتَبَسَّمُ فَلَمَّا اَکْثَرَ رَدَّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ فَغَضِبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ فَلَحِقَهٗ اَبُوْبَکْرٍ وَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَانَ یَشْتِمُنِیْ وَاَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ غَضِبْتَ وَقُمْتَ قَالَ کَانَ مَعَکَ مَلَکٌ یَرُدُّ عَلَیْهِ فَلَمَّا رَدَدْتَ عَلَیْهِ وَقَعَ الشَّیْطَانُ، ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ ثَلٰثٌ کُلُّهُنَّ حَقٌّ مَا مِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ بِمَظْلَمَةٍ فَیُغْضِیْ عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا

أَعَزَّ اللّٰهُ بِهَا نَصْرَهُ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ يُرِيدُ بِهَا صِلَةً إِلَّا زَادَ اللّٰهُ بِهَا كَثْرَةً، وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ يُرِيدُ بِهَا كَثْرَةً إِلَّا زَادَ اللّٰهُ بِهَا قِلَّةً ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گالیاں دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، (اور آپ اس شخص کے مسلسل گالیاں دینے پر اور ابوبکر کے صبر کرنے اور خاموش رہنے پر) تعجب اور تبسم فرما رہے تھے، پھر جب اُس آدمی نے بہت ہی زیادہ گالیاں دیں (اور زبان کو روکا ہی نہیں) تو ابوبکر نے بھی اُس کی بعض باتوں کو اس پر اُلٹ دیا اور کچھ جواب دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ناراضی کے ساتھ وہاں سے اُٹھ کر چل دیئے (حضرت ابوبکر کو اس سے بہت فکر لاحق ہوئی، اور وہ بھی معذرت کے لئے اور حضور کی ناراضی کا سبب معلوم کرنے کے لئے آپ کے پیچھے چلے) پس ابوبکر آپ کے پاس پہونچے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! (یہ کیا بات ہوئی، کہ) وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرما رہے، پھر جب میں نے کچھ جواب دیا، تو حضور ناراض ہو کر اُٹھ آئے؟ ——— آپ نے ارشاد فرمایا۔ جب تک تم خاموش تھے اور صبر کر رہے تھے، تمہارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے جوابدہی کر رہا تھا، پھر جب تم نے خود جواب دیا، تو (وہ فرشتہ تو چلا گیا، اور) شیطان بیچ میں آگیا (کیونکہ اُسے اُمید ہوگئی کہ وہ لڑائی کو اور آگے بڑھا سکے گا) ——— اسکے بعد آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکر! تین باتیں ہیں، جو سب کی سب بالکل حق ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جس بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کیجائے اور وہ محض اللہ عزّ و جل کے لئے اس سے درگزر کرے (اور انتقام نہ لے)، تو اللہ تعالیٰ اسکے بدلہ میں اس کی بھرپور مدد فرمائیں گے (دنیا اور آخرت میں اُس کو

عزت دیں گے) ــــــ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلۂ رحمی کے لئے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اُسکے عوض اُس کو اور بہت زیادہ دیں گے ــــــ اور تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں، بلکہ) اپنی دولت بڑھانے کے لئے سوال اور گداگری کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو اور زیادہ کم کر دیں گے۔ (مسند احمد)

(تشریح) انصاف کے ساتھ ظلم کا بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے، لیکن فضیلت اور عزیمت کی بات یہی ہے کہ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کے لئے معاف کر دے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ چونکہ اخص الخواص میں سے تھے، اسلئے آپ نے اُن کی طرف سے تھوڑی سی جوابدہی کو بھی پسند نہیں فرمایا ــــــ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے :۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا	اور برائی کا (قانونی) بدلہ اُسی کی مثل
فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ	برائی ہے (یعنی جس درجہ کی زیادتی
عَلَى اللَّهِ ــــــ ـــ ـــ	کسی نے کی اُسکے بدلے میں اسکے ساتھ
(شوریٰ - ع - ۴)	اسی درجہ کی زیادتی کی قانوناً اجازت ہے

لیکن) اللہ کا جو بندہ انتقام نہ لے، اور معاف کر دے، اور صلح و اصلاح کی کوشش کرے، تو اس کا خاص اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

(۱۲۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ أَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ ــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! آپکے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں

زیادہ باعزت ہیں ؟ ۔ ارشاد فرمایا ۔ وہ بندے جو (قصور وار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں ۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) یہاں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ قصور وار کا قصور معاف کرنے کی اس فضیلت کا تعلق افراد و اشخاص اور ان کے ذاتی اور نجی حقوق و معاملات سے ہے، لیکن جو جرائم اللہ تعالیٰ کے جرائم ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر سزا مقرر ہے اُس سزا کے معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے ــــــ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا میں سب سے زیادہ رحمدل تھے آپ کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ اپنا قصور کرنیوالوں کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے لیکن اللہ کی حدود کے توڑنے والوں کو اللہ کے حکم کے مطابق ضرور سزا دیتے تھے ۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ۔
وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فِىْ شَيْئٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ[1]

(۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ــــــ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا :۔ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں ؟ ۔ آپ نے اُس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے ۔ اُسنے پھر وہی عرض کیا، کہ :۔ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں ؟ ۔ آپ نے ارشاد فرمایا :۔ ہر روز ستر دفعہ ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے،

[1] مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی، لیکن جب اللہ کی حدوں کو کوئی توڑتا، تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے ۔

تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں، اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ ــــ
آپ نے جواب دیا کہ:۔ اگر بالفرض روزانہ ستّر دفعہ بھی وہ قصور کرے، تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو ــــ حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی حد مقرر کی جائے، بلکہ حُسنِ اخلاق اور ترحّم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستّر دفعہ بھی قصور کرے، تو اس کو معاف ہی کر دیا جائے۔

(ف) جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے ستّر کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لئے نہیں ہوتا بلکہ صرف تکثیر کے لئے ہوتا ہے، اور خاصکر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔

احسان:۔

رحم ہی کی شاخوں میں سے، یا یوں کہہ لیجئے کہ رحم کے ثمروں میں سے احسان کی صفت بھی ہے احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اُس کو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے، یا اُس کا کوئی کام کر دیا جائے، اُس کو آرام پہونچایا جائے، یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس کے لئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو، یہ سب صورتیں احسان کی ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔

(۱۲۷) عَنْ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ ــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور اُن کی ضروریاتِ حیات کا حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے، جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل وعیال کی روزی اور اُنکی ضروریات کا

مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت اُن بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

(تشریح) ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل و عیال کیساتھ احسان کرے اُس کے لئے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی اُن کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

(ف) یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے، اور یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کیساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ میری محبت کا مستحق ہوگا، اور میں اُس کو انعامات سے نوازوں گا، تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خود اس بادشاہ کے باغی ہوں، یا دوسرے ناقابلِ معافی جرائم بطور پیشہ کے کرتے ہوں، (مثلاً قتل و غارتگری، ڈاکہ زنی وغیرہ) وہ اگر رعایا کے کچھ افراد کے ساتھ بڑے سے بڑا سلوک بھی کریں، تب بھی وہ اس اعلان کی بنیاد پر بادشاہ کی محبت اور انعام کے مستحق نہیں ہوں گے، اور یہی کہا جائے گا کہ اس شاہی فرمان کا تعلق ایسے باغیوں اور پیشہ ور مجرموں سے نہیں ہے۔

(۱۲۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا إِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا وَإِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوْا وَإِنْ أَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا ــــــــــ رواه الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو، کہ کہنے لگو کہ اگر

اُور لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے، اُور اگر دوسرے لوگ ظلم کا رُویہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے، بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکّا کرو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو، اُور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اُور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو (بلکہ احسان ہی کرو)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دنیا میں خواہ احسان اُور حُسنِ سلوک کا چلن ہو یا ظلم اُور بدسلوکی کا دَور دَورہ ہو، اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ اُن کا رویہ دوسروں کے ساتھ احسان اُور حُسنِ سلوک ہی کا رہے ——— نیز یہ احسان صرف اُن ہی لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں، بلکہ جو لوگ ہمارے ساتھ برا سلوک کریں، اُن کے ساتھ بھی ہم احسان ہی کا رُویہ رکھیں ——— "کتاب الرقاق" کے آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے میرے پروردگار کا حکم ہے کہ جو مجھ سے قطع رحم کرے میں اُس کے ساتھ صلۂ رحمی کروں، اُور جو مجھے نہ دے، جب میرے لئے دینے کا وقت آئے، تو میں اُس کو بھی دوں۔"

(۱۲۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضٰى لِأَحَدٍ مِنْ أُمَّتِيْ حَاجَةً يُرِيْدُ أَنْ يَسُرَّهُ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِيْ وَمَنْ سَرَّنِيْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ ———

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے میرے کسی اُمتی کی کوئی حاجت پوری کردی اُس کا دل خوش کرنے کے لئے، تو اُس نے مجھے خوش کیا اُور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے میرے اللہ کو خوش کیا، اُور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اُس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اُمتیوں کے ساتھ جو خاص تعلق ہے اُس کا اندازہ اِس حدیث سے بھی کیا جا سکتا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ آپ کے کسی امتی کو خوش کرنے کے لئے اُس کا کوئی کام کر دینا اور اُسکے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے والا عمل ہے، اور اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور جنت ہے۔

(۱۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِیْ عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ ـــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین حاجتمند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو، وہ اجر و ثواب میں اُس مجاہد بندہ کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو ـــــــ راوی کہتے ہیں ـــــــ اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔ اور اُس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اُس صائمی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی بے روزہ کے رہتا ہی نہ ہو۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا، احسان خواہ کسی قسم کا اور اللہ کی کسی مخلوق کے ساتھ کیا جائے، وہ اللہ کو راضی کرنے والا عمل ہے، لیکن خاصکر کسی بے سہارا عورت اور کسی مسکین بندہ کی مدد کے لئے اور اُسکے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنا اتنا اونچا عمل ہے کہ اسکے کرنے والے بندے اجر و ثواب میں اُن بندوں کے برابر ہیں جو راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوں، یا جو صائم النہار اور قائم اللیل ہوں۔

چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے۔

(۱۳۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
لَا یُحَقِّرَنَّ اَحَدُکُمْ شَیْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیَلْقَ
اَخَاہُ بِوَجْہٍ طَلِیْقٍ وَاِذَا اشْتَرَیْتَ لَحْمًا اَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا
فَاَکْثِرْ مَرَقَتَہٗ وَاغْرِفْ لِجَارِکَ مِنْہُ ــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے، پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اُس سے ملاقات کرے (یہ بھی حُسنِ سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خرید و یا ہانڈی پکاؤ تو اُس میں شوربا بڑھا دیا کرو، پھر کچھ بہر اُنہیں سے اپنے پڑوسی کے لئے بھی نکالا کرو (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اعزہ واقارب اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا کرے حسبِ استطاعت اُن کو تحفے دیا کرے، اور اگر تحفہ دینے کیلئے کوئی زیادہ بڑھیا چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دیدے، اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھ کے دینے سے نہ رُکے، اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی اور خندہ جبینی کے ساتھ اُن سے ملا کرے، یہ بھی حُسنِ سلوک کی ایک صورت ہے، اور تحفہ تحائف کی طرح اس سے بھی باہمی محبت وتعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غریب اور نادار آدمی بھی اتنا تو کر ہی سکتا ہے کہ جب کبھی گھر میں گوشت پکے تو اُس میں شوربا کچھ زیادہ کر لیا جائے، اور کسی پڑوس کے گھر بھی اُس میں سے بھیجدیا جائے۔

دراصل حُسنِ سلوک کی اِن آخری صورتوں کا ذکر حضورؐ نے بطورِ مثال کے کیا ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وہ دوسروں کے ساتھ احسان کرے۔

(۱۳۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَقِّرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقَ اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ اَخِيْكَ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم حُسنِ سلوک کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر مت سمجھو، اور اُس کی ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملو، اور یہ بھی (حُسنِ سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنے کا ذکر بھی بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے، اور مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائی کی جو خدمت اور مدد تم کر سکتے ہو اور اُس کو جو آرام تم پہونچا سکتے ہو، اور جس طرح تم اُسکے کام آسکتے ہو، اُس میں دریغ نہ کرو۔ اللہ کی نظر میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیسی محبت و مودت کی فضا ہو، اور کیسا بھائی چارہ ہو ــــــ اِن حدیثوں نے یہ بھی بتایا کہ کسی پر احسان کرنا دولتمندی پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اِس فضیلت میں غربا بھی اپنی غربت اور ناداری کے ساتھ اُمیروں کے شریک ہو سکتے ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ ان قیمتی ہدایات کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی ہم سب کو توفیق دے۔

ایثار:۔

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو، لیکن جب کوئی دوسرا

حاجتمند اُسکے سامنے آجائے تو وہ چیز اُس کو دیدے اور خود تکلیف اُٹھالے، اسی کا نام ایثار ہے، اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا طرزِ عمل بھی یہی تھا، اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

(۱۳۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَأَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَكْسُوْكَ هٰذِهٖ فَاَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا اِلَيْهَا فَلَبِسَهَا فَرَاٰهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا اَحْسَنَ هٰذِهٖ فَاكْسُنِيْهَا فَقَالَ نَعَمْ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَامَهٗ اَصْحَابُهٗ قَالُوْا مَا اَحْسَنْتَ حِيْنَ رَاَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَهَا مُحْتَاجًا اِلَيْهَا ثُمَّ سَاَلْتَهٗ اِيَّاهَا وَقَدْ عَرَفْتَ اَنَّهٗ لَا يُسْأَلُ شَيْئًا فَيَمْنَعَهٗ فَقَالَ رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِيْنَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلِّيْ اُكَفَّنُ فِيْهَا ———— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر (ہدیہ کے طور پر) لے کر آئی، اور عرض کیا کہ حضرت! میں یہ چادر آپ کو اُڑھانا چاہتی ہوں۔ آپ نے وہ چادر قبول فرما کر اوڑھ لی، اور آپ کی حالت یہ تھی کہ اُس وقت آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ آپ کے صحابہ میں سے ایک صاحب نے آپ کو وہ چادر اوڑھے دیکھا تو عرض کیا، یا رسول اللہ یہ چادر تو بہت ہی اچھی ہے، یہ تو مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا: بہت اچھا (اور وہ چادر اُسی وقت اُتار کر اُن صاحب کو دیدی) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس مجلس سے اُٹھ گئے، تو بعض ساتھیوں نے ان صاحب کو ملامت کی، اور کہا۔ تم نے یہ اچھا نہیں کیا۔ تم نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود

اس کی ضرورت تھی، اور آپ نے حاجتمندی کی حالت میں یہ چادر اُس خاتون سے قبول کی تھی، اِسکے باوجود تم نے حضورؐ سے اس کو مانگ لیا، حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ کی عادتِ کریمہ یہ ہے کہ جو چیز بھی آپ سے مانگی جائے، آپ اس کو دے ہی دیتے ہیں۔ اُن صاحب نے عرض کیا:۔ میں نے تو برکت کے خیال سے ایسا کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہن لیا تھا، اب مجھے اُمید ہے کہ یہی مبارک چادر میرا کفن بنے گی۔ (صحیح بخاری)

(۱۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ مَجْهُوْدٌ فَاَرْسَلَ اِلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ فَقَالَتْ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِىْ اِلَّا مَاءٌ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰى اُخْرٰى فَقَالَتْ مِثْلَ ذَالِكَ وَقُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَالِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّضَيِّفُهٗ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهٗ اَبُوْ طَلْحَةَ فَقَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلٰى رَحْلِهٖ فَقَالَ لِاِمْرَاَتِهٖ هَلْ عِنْدَكِ شَيْئٌ قَالَتْ لَا اِلَّا قُوْتُ صِبْيَانِىْ قَالَ فَعَلِّلِيْهِمْ بِشَيْئٍ وَنَوِّمِيْهِمْ فَاِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَاَرِيْهِ اَنَّا نَاْكُلُ فَاِذَا اَهْوٰى بِيَدِهٖ لِيَاْكُلَ فَقُوْمِىْ اِلَى السِّرَاجِ كَىْ تُصْلِحِيْهِ فَاَطْفِئِيْهِ فَفَعَلَتْ فَقَعَدُوْا وَاَكَلَ الضَّيْفُ وَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ اَوْ ضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ ــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا:۔ میں بڑا دکھی فقیر ہوں

(مجھے بھوک بہت ستا رہی ہے)۔ آپ نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات کے پاس کہلا بھیجا (کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو، تو ایک ایسے حاجت مند کیلئے بھیجدو) وہاں سے جواب ملا، کہ قسم اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہمارے ہاں اِس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے۔ پھر آپ نے اپنے کسی دوسرے گھر میں کہلا کے بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب ملا، پھر یکے بعد دیگرے اپنے سب گھروں میں کہلا کے بھیجا، اُور) اُن سب کی طرف سے یہی جواب ملا (کہ اِس وقت پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز گھر میں نہیں ہے، اپنے سب گھروں سے یہ جواب ملنے کے بعد) آپ نے صحابۂ حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا:۔ تم میں سے کون اِس بندہ کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے؛ اُس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوگی!۔ انصار میں سے ابو طلحہ نامی ایک شخص کھڑے ہوئے اُور عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ان کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں چنانچہ وہ اُس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اُور بیوی سے کہا (اِس وقت ایک مہمان کے لئے) کیا تمہارے ہاں کچھ ہے؟۔ بیوی نے جواب دیا، کہ، بس اپنے بچوں کا کھانا ہے اسکے سوا کچھ نہیں ہے (یہاں تک کہ میرے اُور تمہارے کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے)۔ ابو طلحہ نے کہا:۔ تو پھر ایسا کرو کہ اُن بچوں کو کسی چیز سے بہلا کے (بلا کھلائے) سُلا دو، اور جب ہمارا مہمان گھر میں آجائے، تو (اپنے طرزِ عمل سے) اُس پر یہ ظاہر کیجیو اُور ایسا دکھائیو کہ (اسکے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ کھانے کے لئے ہاتھ بڑھائے (اُور کھانا شروع کردے) تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جائیو اُور اُس کو گل کر دیجیو (تاکہ گھر میں اندھیرا ہو جائے اُور مہمان یہ نہ دیکھ سکے کہ ہم اسکے ساتھ کھا رہے ہیں یا نہیں) چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا، پس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہمان ہی نے کھایا، اُور ان دونوں میاں بیوی نے بھوکے رہ کر رات گزاری، پھر جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اُن کا اور اُن کی بیوی کا نام لے کر اُن کو خوش خبری سنائی کہ :- اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا، اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا ___ راوی کو شک ہے کہ آپ نے اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے "عَجِبَ اللّٰہُ" کا لفظ بولا تھا ___ یا "ضَحِكَ اللّٰہُ" کا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(**تشریح**) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور آپ کے عملی نمونے نے صحابۂ کرامؓ میں ایثار کی یہ صفت جس درجہ میں پیدا کر دی تھی یہ واقعہ اُس کا ایک نمونہ ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کی اسی صفت اور اسی سیرت کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے "وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"[1] (سورۂ حشر ع ۱)۔

ابو طلحہ انصاری کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور رضا اور پسندیدگی کا جو خاص خاص درجہ نصیب ہوا، اُس کو سمجھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مجاز یا استعارہ کے "عَجِبَ" یا "ضَحِكَ" کا لفظ بولا، ورنہ ظاہر ہے کہ حیرت و تعجب کرنا اور ہنسنا، اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے یہ دونوں صفتیں کسی بندہ ہی کی ہو سکتی ہیں۔

اُنس و محبت اور بیگانگی و عداوت :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنس و محبت کو بھی خاص ایمانی صفات میں سے بتلایا ہے، اور کیوں نہ ہو، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنس و محبت کا ایک پیکر تھے، اور آپ کی ہر خصلت بلاشبہ ایمانی خصلت ہے۔

(۱۳۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ ___

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

[1] (ترجمہ) وہ دوسرے ضرورت مندوں کو اپنے پر مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ اُن کو فاقہ ہی ہو۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے، اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا، اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

(مسند احمد وشعب الایمان بیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بندۂ مومن کو اُنس و محبت کا مرکز ہونا چاہئے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہونچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اُٹھا سکیں گے ـــــــ اس حدیث میں اُن خشک مزاج متقشف حضرات کے لئے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لئے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں ـــــــ البتہ مومن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور اُن کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لئے اور اسکے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔ مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہ۔

اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض و عداوت:۔

(۱۳۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو، اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کے لئے ہو۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) کسی بندہ کا یہ حال ہو جانا کہ وہ صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ ہی کے لئے کسی سے بغض رکھے، بلاشبہ بہت اونچا مقام ہے "کتاب الایمان" میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا:۔ کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا، اور اللہ کے لئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

اللہ کیلئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے:۔

(۱۳۷) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰہِ اِلَّا اَکْرَمَ رَبَّہٗ عَزَّ وَجَلَّ ــــــــ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔جس بندہ نے بھی اللہ کے لئے کسی بندہ سے محبت کی، اُسنے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد)

(تشریح) یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندے سے اللہ کیلئے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

اللہ کیلئے آپس میں میل محبت کرنیوالے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں:۔

(۱۳۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ ــــــــ

(رواہ مالک)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے اُن لوگوں کے لئے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں، اور میری وجہ اور میرے تعلق سے کہیں جُڑ کر بیٹھیں، اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں، اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (موطا امام مالکؒ)

(تشریح) اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت وچاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے، اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کے لئے کرتے ہیں، جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کے لئے بیٹھتے ہیں، جس سے ملتے ہیں اللہ کے لئے ملتے ہیں، جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں، بیشک اللہ کے یہ بندے اسکے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میری ان بندوں کے لئے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں، اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں ——— اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَحَابِّيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيْكَ (اے اللہ! ہمیں اپنے اُن بندوں میں سے کر دے جو تیرے ہی لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی لئے باہم جُڑ کے بیٹھتے ہیں، تیرے ہی لئے آپس میں ملتے ہیں، اور تیری ہی رضا کے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں)۔

(۱۳۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَهٗ فِىْ قَرْيَةٍ اُخْرٰى فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ عَلٰى مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا، قَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ اُرِيْدُ اَخًا لِىْ فِىْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَيْرَ اَنِّىْ اَحْبَبْتُهٗ فِى اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّىْ

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهُ فِيْهِ ـــــ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے ـــــ جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا ـــــ ملاقات کے لئے چلا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گذر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کے بٹھا دیا (جب وہ شخص اس مقام سے گذرا، تو) فرشتہ نے اُس سے پوچھا۔ تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟۔ اُس نے کہا:۔ میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا۔ کیا اُس پر تمہارا کوئی احسان ہے، اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ اُس بندہ نے کہا:۔ نہیں! میرے جانے کا باعث اِسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لئے جا رہا ہوں)۔ فرشتہ نے کہا، کہ:۔ میں تمھیں بتاتا ہوں، کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمھارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے، جیسا کہ تم اللہ کے لئے اُسکے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، بظاہر کسی اگلی اُمت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آسکتے ہیں، اور اس سے اس طرح کی باتیں دو بدو کر سکتے ہیں، حضرت جبرئیلؑ کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا، اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔

اِس واقعہ کی اصل رُوح اور اِسکے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقصد اِس حقیقت کا واضح کرنا تھا، کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور

اس للّٰہی محبّت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنیوالے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتہ کے ذریعہ اس کو اپنی محبّت کا پیغام پہونچاتا ہے۔ فَطُوبیٰ لَهُمْ وَبُشْرٰی لَهُمْ (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو)۔

اللہ کیلئے محبت کرنیوالوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز:۔

(۱۴۰) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَا هُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ——— رواہ ابوداؤد۔

(**ترجمہ**) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں، جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ہمیں بتلا دیجئے کہ وہ کون بندے ہیں؟۔ آپ نے فرمایا:۔ وہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے، اور بغیر کسی مالی لین دین کے رُوحِ خداوندی کی وجہ سے باہم محبّت کی ——— پس قسم ہے خدا کی، ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہونگے

بلکہ سراسر نور ہوں گے، اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، اور عام انسانوں کو جس وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے، اور جس وقت عام انسان مبتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے، اور اس موقع پر آپ نے یہ آیت پڑھی :- اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ :
(معلوم ہونا چاہئے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، اُن کو خوف و غم نہ ہوگا)۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے، اس کو ہدیے اور تحفے دیتا ہے تو اس میں اُس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے ـــ لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیے اور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جو کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے، اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے ـــ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے، یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی، لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے، اسلئے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگان خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف

اِن الفاظ میں کرایا گیا ہے :۔ "ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ" اِس لفظ رُوْح کو ر کے پیش کے ساتھ رُوْح بھی پڑھا گیا ہے، اَور ر زبر کے ساتھ رَوْح بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اِس سے اللہ کا دین مراد ہے، اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگانِ خدا ہوں گے جنھوں نے اِس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت والفت کی ـــــــ دین اُس اُخروی زندگی کے لئے جو اصل زندگی ہے بمنزلہ رُوْح کے بھی ہے، اور وہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے، اور رَوْح کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے ہیں۔ الغرض اِس لفظ کو خواہ ر کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب ایک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنیوالے ان بندگانِ خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا" ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے شاداں وفرحاں ہوں گے۔ "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥۔"

اللہ کیلئے محبت کرنیوالے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں :۔

(۱۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ ـــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرماویں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں الفت ومحبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے

سایہ میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ تعالیٰ خبیر و بصیر ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا، کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ ــــ دراصل استفہام و استفسار کے لئے نہ ہوگا، بلکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علیٰ رؤس الاشہاد اسلئے بلند ہوگی کہ اُن بندگانِ خدا کی یہ مقبولیت و محبوبیت سارے اہلِ محشر اور تمام اولین و آخرین کے سامنے ظاہر ہو جائے، اور سب سن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لئے محبت کرنیوالوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے ــــ اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے، جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

محبت ذریعۂ قرب و معیت:۔

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ ــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:۔ حضور کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ نے فرمایا، کہ:۔ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اسکے ساتھ ہی ہے۔ (یا یہ کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح

اُور متقی بندہ سے یا اہلِ صلاح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اُور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اُور ان کے درجہ کا نہ ہو، بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو، تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ — اور اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود اُن بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کے لئے اُور دین کے تعلق سے محبت تھی — اس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

(۱۴۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّعْمَلَ كَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ اَنْتَ يَا اَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ فَاِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاَعَادَهَا اَبُوْ ذَرٍّ فَاَعَادَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ —

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (ابوذر نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ایک آدمی ہے اس کو اللہ کے خاص بندوں سے محبت ہے لیکن وہ اس سے عاجز ہے کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس بیچارہ کا انجام کیا ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ابوذر! تم کو جس سے محبت ہوگی تم اسی کے ساتھ ہوگے۔ ابوذر نے عرض کیا: حضرت! مجھے تو اللہ اُور اسکے رسول سے محبت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ پس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہو گے جن سے تم کو محبت ہے۔ یہ جواب سُن کر ابوذر نے پھر اپنی بات دہرائی اُور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۴۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَيْلَكَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّىْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ فَرَحَهُمْ بِهَا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔ حضرت! قیامت کب آئے گی؟۔ آپ نے فرمایا:۔ وائے بر حال تو (تو قیامت کا وقت اور اسکے آنے کی خاص گھڑی دریافت کرنا چاہتا ہے، بتلا) تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ ـــــ اُس نے عرض کیا:۔ میں نے اس کے لئے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے سامنے ذکر کرنے کے لائق اور بھروسہ کے قابل ہو) البتہ (توفیق الٰہی سے مجھے یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہے اللہ سے اور اسکے رسول سے ـــــ آپ نے فرمایا:۔ تجھ کو جس سے محبت ہے تو اُن ہی کے ساتھ ہے اور تجھ کو اُن کی معیت نصیب ہوگی ـــــ حدیث کے راوی حضرت انسؓ اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔ میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں کو (یعنی حضورؐ کے صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی کہ حضورؐ کی اس بشارت سے ہوئی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آخری فقرہ اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے:۔

فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِهٖ	ہم لوگوں کو (یعنی حضورؐ کے صحابہ کو)
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ	کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی
مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاَنَا اُحِبُّ	جتنی کہ آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ
النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	"اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ" (تم جس سے
وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَاَرْجُوْ اَنْ	محبت کرتے ہو اُسی کیساتھ ہو) پس
اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّيْ اِيَّاهُمْ	میں بحمد اللہ محبت رکھتا ہوں رسول اللہ
وَاِنْ لَمْ اَعْمَلْ اَعْمَالَهُمْ	صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابوبکر و عمر سے

اور امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اگرچہ میرے اعمال اُن حضرات کے سے نہیں ہیں۔

ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہییں۔

محبت کی وجہ سے معیت کا مطلب

اول یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محب و محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، اور دونوں کے ساتھ بالکل یکساں معاملہ ہوگا۔ بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں بھی خادم اپنے مخدوموں کے ساتھ اور تابع اپنے متبوعوں کے ساتھ ہوتے ہیں — اور بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

محبت کیلئے اطاعت لازم

دوسری بات یہ کہ محبت کے لئے اطاعت لازم ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ اور اسکے رسول سے محبت ہو، اور اس کی زندگی بغاوت اور معصیت کی ہو، پس جو لوگ آزادی اور بے فکری کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں، اور اگر واقعہ میں وہ خود بھی اپنے کو اہلِ محبت میں سے سمجھیں تو بڑے فریب میں مبتلا ہیں —— حضرت رابعہ نے ایسے ہی مدعیانِ محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے، اور بالکل صحیح فرمایا ہے:۔

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہٗ ۔۔۔ ھٰذَا الْعُمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٌ
لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَہٗ ۔۔۔ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

(یعنی اے محبّت کے جھوٹے مدعی! تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اُس کی محبّت کا دعویٰ کرتا ہے، عقل و قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے، اگر تو دعویٰ محبّت میں سچا ہوتا، تو اس کی فرمانبرداری کرتا، کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کی بات دل و جان سے مانا کرتا ہے)۔

بہرحال اللہ و رسول کی محبّت کے لئے ان کی اطاعت لازم ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت و رفاقت کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے ـــــــــ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ (النساء ع ۔ ۷)۔

پس اس آیت اور مندرجۂ بالا احادیث کے مضمون میں گویا تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے ـــــــــ یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، جس کو حافظ ابن کثیر نے سورۂ نساء کی اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردویہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے ۔ . . . حاصل اس کا یہ ہے، کہ :-

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ :-
یا رسول اللہ! مجھے اپنی بیوی، اپنی اولاد، اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضور سے محبت ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پر ہوتا ہوں اور حضور مجھے یاد آجاتے ہیں

تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرار نہیں آتا جب تک حاضر خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں، اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور تو جنت میں پہونچ کر انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام پر پہونچا دیئے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنت میں بھی گیا تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو ہو نہ سکے گی، اسلئے آخرت میں حضور کے دیدار سے بظاہر محرومی ہی رہے گی ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کی اس بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا، یہاں تک کہ سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ــــ (سورۂ نساء)	اور جو لوگ فرمانبرداری کریں اللہ کی اور اُسکے رسول کی، پس وہ اللہ کے ان خاص مقرب بندوں کیساتھ ہونگے جن پر اللہ کا خاص انعام ہو یعنی انبیاء صدیقین، شہداء، اور صالحین، اور یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے۔

گویا اس آیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محب صادق کو اور دوسرے تمام اہل محبت کو خوش خبری سنائی کہ جب تم کو سچی محبت ہے تو تم اللہ و رسول کی فرمانبرداری ضرور کرو گے، اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہوگی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ناواقفی اور کم غوری کی وجہ سے محبت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیش نظر نہیں رکھتے، اسلئے اس موقع پر تھوڑی سی تفصیل ضروری سمجھی گئی ــــ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُولِكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنَا حُبُّهُ عِنْدَكَ۔ (اے اللہ ہم کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما، اور جن

بندوں کی محبت تیرے نزدیک ہمارے لئے نفع بخش ہو، اُن سب کی محبت ہم کو عطا فرما)۔

دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی و غمخواری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعٰلمین ہیں، اور آپ کی تعلیم ساری دنیا کیلئے آبِ رحمت ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترحم اور حسنِ سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں اور جو نصیحتیں فرمائی ہیں، اُن میں سے بعض گذشتہ اوراق میں درج کی جا چکی ہیں، لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی امت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنا دی گئی ہے، اور اب رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمائندگی کرنی ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، قلبی محبت، مخلصانہ ہمدردی و خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں، اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص الخاص زور دیا ہے ــــــ اس سلسلہ کے آپ کے زیادہ تر ارشادات تو وہ ہیں جن کا "معاشرت" کے ابواب میں درج ہونا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن دو ایک حدیثوں کا یہاں "اخلاق" کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں باہم کیسی محبت و مودت اور کیسا تعلق ہونا چاہئے

(۱۳۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِىْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى ــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے، اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اُسکے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضا بھی بخار اور بے خوابی میں اسکے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ محمد پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت و مؤدّت، ایسی ہمدردی، اور ایسا دلی تعلق ہونا چاہیئے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ اُن کو اس حال میں دیکھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو، تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں، اور سب اس کی فکر اور بے چینی میں شریک ہوں ——— اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے ——— ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

(۱۴۶) عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ——— (رواه البخاري ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ :۔ ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہیئے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور اُن کے جڑے رہنے سے عمارت کھڑی رہتی ہے) پھر آپ نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہیئے جس کی اینٹیں باہم

پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہوں اور کہیں ان میں کوئی خلا نہ ہو۔

(بخاری ومسلم)

باہم نفرت و عداوت بغض و حسد اور بدگمانی و شماتت وغیرہ کی ممانعت:۔

مندرجۂ بالا احادیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح اسکے خلاف برتاؤ کرنے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رہنے، اس کی مصیبت پر خوش ہونے، اس کو ایذا پہونچانے اور حسد یا کینہ رکھنے کی سخت مذمت اور انتہائی تاکید کیساتھ ممانعت فرمائی ہے ____ اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہ ہیں:۔

(۱۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ____ رواه البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بیجا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منھ پھیرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے یہ سب وہ ہیں جو

دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرکے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں ـــــــ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا۔ یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اُس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اُسکے ہر کام میں اس کو بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے، پھر بعض اسی وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی اَن ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا رَدِّ عمل ہوتا ہے، اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں، اور تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدگمانی کو "اَکْذَبُ الْحَدِیْث" فرمایا ہے یعنی سب سے جھوٹی بات، بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے، لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بُری بات نہیں سمجھا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا، کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شناعت اور قباحت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے اُسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:۔

"حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ" (رواہ احمد وابوداؤد، عن ابی ھریرۃ)۔

پھر بدگمانی کے بعد اور جن بُری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے ـــــــ یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں میں عیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کے اُس پر حسد کرنا اور اُس کی خوش حالی کو ٹھنڈی آنکھ نہ دیکھ سکنا وغیرہ وغیرہ ـــــــ ان سب کا حال بھی یہی ہے کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے، اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور جس اُخوت و یگانگت کو چاہتا ہے اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے: "اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو" اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بری عادتوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

(۱۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا ـــــ وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ ـــــ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ ـــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد و اعانت کا محتاج ہو تو اس کی مدد کرے) اور اس کو بے مدد کے نہ چھوڑے، اور اس کو حقیر نہ جانے، اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر ہے کہ اسکے دل میں تقویٰ ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم ہو) پھر آپ نے تین بار اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: تقویٰ یہاں ہوتا ہے (ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو اسکے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو اور اپنے دل کے تقوے کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو اسلئے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے برا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، اور اسکے ساتھ حقارت سے پیش آئے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابل احترام ہے، اس کا خون، اس کا مال، اور اس کی آبرو (اسلئے ناحق اس کا خون گرانا، اس کا مال لینا، اور اس کی آبرو ریزی کرنا، یہ سب حرام ہیں)۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ہر مسلمان پر اسکے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو تو یہ اس کی مدد کرے لیکن یہ اُسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔ ــــــ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:۔ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اُس کی مدد کرو، اور اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکو، اُس کو ظلم سے روکنا ہی اُس کی مدد کرنا ہے۔

ایمان والے بندوں کو ستانے والوں اور رُسوا کرنے والوں کو سخت تنبیہ:۔

(۱۳۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ ــــــ رواه الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا:۔ اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو، اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے مسلمان بندوں کو ستانے سے، اور ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے، اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو، کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا، وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کے رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر رہی ہو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارہ میں محتاط ہو جاتا ہے، خاص کر اللہ کے جو بندے سچے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہوں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے، اُن کو ستانے، اُن کا دل دکھانے، ان کی پچھلی برائیوں کا ذکر کر کے اُن کو شرمندہ کرنے، اور ان کی زندگی کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے لیکن اگر دل میں ایمان کی حقیقت نہ اتری ہو، اور صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں، تو آدمی کا حال اسکے برعکس ہوتا ہے، وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈھتا ہے، خاص کر اللہ کے اُن بندوں کے پیچھے پڑتا ہے، جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عبدیت کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں، اُن کو لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے، اُن کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے، اُن کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں، اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرنے اور اُن کے مقام کو گرانے، اور اُن کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے شغلہ کو ترک کریں، ورنہ آخرت سے پہلے اِس دنیا میں بھی وہ ذلیل کئے جائیں گے، اور ذلت و رسوائی کی مار اُن پر ضرور پڑے گی، اگر بالفرض ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے وہ خانہ نشین ہو کے بھی بیٹھیں گے، تو اللہ اُن کو اُن کے گھر کی چہار دیواری ہی میں رسوا کرے گا۔ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

حسد کے بارے میں خاص انتباہ :ـــ

(۱۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ـــــــ تم حسد کے مرض سے بہت بچو، حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اسی کے درپہ رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہونچائے، اس کو بے آبرو کرے، پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا، تو اس کی غیبت ہی کر کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے، اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی ہوگا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو دلا دی جائیں گی ـــــــ نیکیوں کو حسد کے کھا جانے کی یہ آسان توجیہ ہے۔

(۱۵۱) عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ ـــــــ

(رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے، یہ بالکل صفایا کر دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا) میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کر دیتی ہے دین کا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) صحابۂ کرام کے متعلق اللہ علیم وخبیر کی یہ شہادت قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں "رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ" ـــــــ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے خاص کرم نے ان کے دل ملا دیئے ہیں، اور وہ پرانے جھگڑوں کو بالکل بھلا کر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ہیں ——— فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔ (آل عمران ع۔ ۱۱)۔

ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کا خاص انعام ہے، کہ اس نے تم پر ایمان لانے والوں کے دل ملا دیئے ہیں، اگر تم اس مقصد کے لئے دنیا کی ساری دولت اور سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں یہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ

(انفال ع۔ ۸)

بہر حال قرآن مجید کی ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں تک صحابۂ کرام کا تعلق ہے ان کے دل ایک دوسرے کی محبت و الفت سے بھر دیئے گئے تھے، اور ان میں باہم بغض و حسد کا نام و نشان بھی نہ تھا، اسلئے اس حدیث "دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ" کا منشا یہی ہو سکتا ہے کہ بعد کے دوروں میں بغض و حسد کی جو مہلک بیماری مسلمانوں میں آنے والی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ منکشف ہوئی، اور آپ نے امت کو اس آنے والی بلا سے خبردار کیا اور بتلایا کہ بغض و حسد کی جس مہلک بیماری نے اگلی بہت سی امتوں کے دین و ایمان کو برباد کیا ہے وہ میری امت کی طرف بھی چلی آ رہی ہے، لہٰذا اللہ کے بندے ہوشیار رہیں اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی فکر کریں۔

بغض اور کینہ کی نحوست :۔

(۱۵۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِىْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَّرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَيْنَهٗ

وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ أُتْرُكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيئَا ـــــ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو ہر بندۂ مومن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ سوائے اُن دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں پس اُن کے بارے میں حکم دیدیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ آپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آویں اور دلوں کو صاف نہ کرلیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کو امام منذری نے ترغیب و ترہیب میں اوسط طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ: ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو جس نے اللہ سے بخشش اور معافی مانگی ہوتی ہے اس کو معافی دی جاتی ہے، اور جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال اُن کے کینے کے سبب لوٹا دیئے جاتے ہیں (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آئیں۔

اس مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں، ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے لئے کینہ ہوگا جب تک وہ اس کینہ سے اپنے دل اور سینے کو صاف پاک نہ کرلے، اس وقت تک وہ اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہ ہوگا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

شماتت کی سزا:۔

(۱۵۳) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِأَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت واثلہ ابن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کروگے تو ہوسکتا ہے کہ) اللہ اُس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اُور تم کو مبتلا کردے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، اور وہ ترقی کرکے دشمنی اُور عداوت کی حد تک پہونچ جاتا ہے، تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے اس کو شماتت کہتے ہیں، حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ بسا اُوقات دنیا ہی میں اس کی سزا اس طرح دیدیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے کے اس پر خوش ہونے والے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔

نرم مزاجی اُور درشت خوئی:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے، اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، اُور درشتی اُور سختی کا رویہ اختیار نہ کرے، اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہاں پڑھئے:۔

(۱۵۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِىْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِىْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِىْ عَلٰى مَا سِوَاهُ ـــــ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ :- اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے (نرمی اُور مہربانی کرنا اُس کی ذاتی صفت ہے) اُور نرمی اُور مہربانی کرنا اس کو محبوب بھی ہے (یعنی اُس کو یہ بات پسند ہے کہ اسکے بندے بھی آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں) اُور نرمی پہ وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا، اور جتنا کہ نرمی کے ماسوا کسی چیز پر بھی نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض لوگ اپنے مزاج اُور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں، اُور بعض لوگ نرم اُور مہربان، اُور نا آشنایانِ حقیقت سمجھتے ہیں کہ سخت گیری سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے حاصل نہیں کر سکتا، گویا ایسے لوگوں کے خیال میں سخت گیری کاربراری کا وسیلہ اُور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اس غلط خیال کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ نے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اسکے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اسکے بندوں کا باہمی معاملہ اُور برتاؤ بھی نرمی کا ہو۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا، کہ مقاصد کا پورا ہونا نہ ہونا، اُور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے، جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے، اور اس کا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اس قدر دیتا ہے جس قدر کہ سختی پر نہیں دیتا، بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے، اسلئے اپنے منافع اُور مصالح کے نقطۂ نظر سے بھی اپنے تعلقات اُور معاملات میں آدمی کو نرمی اور مہربانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہیے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو، اُور اسکے کام پورے کرے، اس کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کے حق میں مہربان ہو اور بجائے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اور اپنا طریقہ بنائے۔

(۱۵۵) عَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ ــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت جریر سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ جو آدمی نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو اس سے محروم رہا گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سرچشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے لہذا جو شخص اس سے محروم رہا، وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہے گا۔

(۱۵۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ــــــ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا، اور جس کو نرمی نصیب نہیں ہوئی وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔

(۱۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا إِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يَحْرِمُهُمْ إِيَّاهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ ــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کے لئے نرمی کی صفت عطا کرنے کا، مگر ان کو نفع پہونچاتا ہے اسکے ذریعہ، اور نہیں محروم کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے، مگر یہ کہ ضرر پہونچاتا ہے ان کو۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(**تشریح**) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جس گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصلت عطا فرماتا ہے ان کے لئے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے، اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصلت سے محروم رکھتا ہے ان کے لئے یہ محرومی بہت سے نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصلتوں میں نرمی اور سختی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعمال کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے، جس شخص کے مزاج اور رویہ میں سختی ہوگی وہ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، عزیزوں قریبوں کے لئے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں سخت ہوگا، اسی طرح اگر حاکم اور افسر ہے تو محکوموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا، غرضکہ زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اس کے لئے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے مستقل عذاب ہوگی ـــــ اور اسکے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویہ میں نرمی ہوگی وہ گھر والوں، پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرضکہ سب کے ساتھ نرم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا، اور دوسروں کیلئے بھی راحت اور سکون کا باعث ہوگا، پھر یہ نرمی باہم محبت و مودت پیدا کرے گی اور اکرام و احترام اور خیر خواہی کے جذبات کو ابھارے گی، اور اسکے برعکس درشت مزاجی اور تند خوئی دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرے گی، اور حسد و بدخواہی اور جنگ و جدل کے منحوس جذبات کو بھڑکائے گی، ـــــ سختی اور نرمی کے یہ تو چند وہ دنیوی نتائج ہیں جن کا ہم مشاہدہ اپنی اس زندگی میں اور

اپنے ماحول میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے رہتے ہیں (اور تھوڑے سے غور و فکر سے بہت سے ان کے بڑے اور دور رس نتائج کو بھی سمجھ سکتے ہیں) ——— ان کے علاوہ اس نرم مزاجی اور درشت خوئی کے جو بعید عظیم الشان اخروی نتائج آخرت کی زندگی میں سامنے آنے والے ہیں، ان کا تجربہ اور مشاہدہ تو اپنے وقت پر ہی ہوگا، لیکن اس دنیوی زندگی میں آخرت کے نفع و نقصان اور ثواب و عذاب کو جتنا کچھ ہم جان اور سمجھ سکتے ہیں، اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے ارشادات ہمارے لئے کافی ہیں۔

(۱۵۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ ———

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کیلئے حرام ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (سنو میں بتاتا ہوں، دوزخ کی آگ حرام ہے) ہر ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہونے والا ہو، نرم خو ہو۔

(تشریح) اس حدیث میں هَيِّنٍ، لَيِّنٍ، قَرِيْبٍ، سَهْلٍ یہ چاروں لفظ قریب المعنی ہیں، اور نرم مزاجی کے مختلف پہلوؤں کی یہ ترجمانی کرتے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مزاج اور رویہ میں نرم ہو، اور اپنی نرم خوئی کی وجہ سے لوگوں سے خوب ملتا جلتا ہو، دُور دُور اور الگ الگ نہ رہتا ہو، اور لوگ بھی اس کی اس اچھی اور شیریں خصلت کی وجہ سے اس سے بے تکلف اور محبت سے ملتے ہوں، جس سے بات اور معاملہ کرتا ہو، نرمی اور مہربانی سے کرتا ہو، ایسا شخص جنتی ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے نصوص، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تعلیم و تربیت سے صحابۂ کرام کے ذہن میں چونکہ یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی (اور دین کی صرف ضروری درجہ کی بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص آج بھی اتنی بات جانتا ہے) کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان رکھتے ہوں، اور دین کے لازمی مطالبات ادا کرتے ہوں، اسلئے اس قسم کی بشارتوں کیساتھ عموماً اس شرط کو الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاتا ۔ ۔ ۔ ۔ (اور بشارت کے موضوع کیلئے یہی مناسب ہے)

— لیکن ذہنوں میں یہ شرط ملحوظ اور محفوظ رہنی چاہئے، یہ ایک مسلّمہ ایمانی حقیقت ہے، کہ ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں اعمال اور اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

(۱۵۹) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ ـــــــ

(رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔

(ابو داؤد)

(تشریح) حدیثوں میں کبھی کبھی کسی بُرے عمل یا بُری عادت کی برائی بیان کرنے کے لئے اور لوگوں کو اس سے بچانے کے لئے یہ انداز بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ "اس عمل یا عادت والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا" اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت شانِ ایمان کے خلاف، اور جنت کے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہے، اسلئے جنت کے طلب گار اہل ایمان کو اس سے پورے اہتمام سے بچنا چاہئے۔

حارثہ بن وہب کی اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے منافی اور جنت کا راستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں،

اوران ناپاک عادتوں والے لوگ سچے مومنین کی طرح اور اُن کے ساتھ جنت میں جا سکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی :-

(۱۶۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِیْنَ بِالْمَدِیْنَۃِ وَاَنَا غُلَامٌ لَیْسَ کُلُّ اَمْرِیْ کَمَا یَشْتَھِیْ صَاحِبِیْ اَنْ یَّکُوْنَ عَلَیْہِ مَا قَالَ لِیْ فِیْھَا اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِیْ لِمَ فَعَلْتَ ھٰذَا اَوْ اَلَّا فَعَلْتَ ھٰذَا ـــــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، اور میں نوعمر لڑکا تھا اس لئے میرا ہر کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا، (یعنی نوعمری کی وجہ سے مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے اُف کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا، یا کیوں نہیں کیا۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ اُمِّ سُلَیم نے اُن کو مستقلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری روزِ حیات تک یہ آپ کی خدمت میں رہے، اُن ہی کا یہ بیان ہے کہ نوعمری اور لڑکپن کی وجہ سے آپ کے کاموں میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں، لیکن کبھی آپ نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر اُف تک نہیں کہا، اور کبھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا ـــــــــ بلاشبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے، لیکن ہم اُمتیوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نرم مزاجی اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

حلم و بردباری یعنے غصہ نہ کرنا اور غصہ کو پی جانا :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو جن اخلاق کی تاکید و اہتمام کے ساتھ تعلیم دی ہے اُن میں سے ایک حلم و بردباری بھی ہے :-

(۱۶۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذَالِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ ــــــ رواه البخاری ــــــ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ :۔ حضرت ! مجھے کوئی وصیت فرمائیے ــــــ آپ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ غصہ مت کیا کرو ــــــ اُس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ :۔ حضرت مجھے اور وصیت فرمائیے ــــــ مگر آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ :۔ غصہ مت کیا کرو۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کی درخواست کرنیوالے یہ صاحب کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے ، اور اس وجہ سے اُن کیلئے مناسب ترین اور مفید ترین وصیت اور نصیحت یہی ہو سکتی تھی کہ " غصہ نہ کیا کرو " اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی ۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بری عادتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بدانجام عادت ہے ۔ غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع اور نقصان کا ۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے ایسا شاید کبھی دوسری حالت میں نہیں چلتا ، گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا ، بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے ، حد یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی

بکنے لگتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ
"غصہ دین و ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح کہ ایلوا شہد کو خراب اور بالکل ہی
کڑوا کر دیتا ہے" (یہ حدیث "کتاب الایمان" میں درج کی جا چکی ہے)۔
لیکن واضح رہے کہ شریعت میں جس غصہ کی ممانعت اور سخت مذمت کی گئی ہے اس سے
مراد وہی غصہ ہے جو نفسانیت کی وجہ سے ہو اور جس سے مغلوب ہو کر آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود
اور شریعت کے احکام کا پابند نہ رہے، لیکن جو غصہ اللہ کیلئے اور حق کی بنیاد پر ہو، اور اس میں حدود
سے تجاوز نہ ہو، بلکہ بندہ اس میں حدود اللہ کا پورا پابند رہے، تو وہ کمال ایمان کی نشانی اور
جلالِ خداوندی کا عکس ہے۔

غصہ میں نفس پر قابو رکھنے والا حقیقی پہلوان ہے:۔

(۱۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ
عِنْدَ الْغَضَبِ ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا:۔ پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں ہے جو مد مقابل کو پچھاڑ دے
بلکہ پہلوان اور شہ زور درحقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن
اس کا نفس ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے، کہ: "اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ"
(تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے) اور معلوم ہے کہ خاصکر غصہ کے وقت اس کا قابو میں رکھنا
نہایت ہی مشکل ہوتا ہے، اسلئے فرمایا گیا ہے کہ طاقت ور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حقدار

وہی مرد خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور نفسانیت اس سے کوئی بیجا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کرا سکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اسکے رسول کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو غیظ، غضب اور غصہ کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی سخت ناگوار بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہو جانا تو بالکل فطری بات ہے اور اس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں) البتہ مطالبہ یہ ہے کہ اس کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شانِ بندگی کے خلاف ہوں۔

غصہ کے وقت کیا کیا جائے :-

(۱۶۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ ——— رواه احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہئے کہ بیٹھ جائے، پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہئے کہ لیٹ جائے۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتلائی ہے جو بلاشبہ نہایت کارگر ہے، علاوہ اسکے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ میں آدمی سے جو بیجا حرکتیں اور جو لغویات سرزد ہو سکتی ہیں، کسی جگہ جم کر بیٹھ جانے سے اُن کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے اور پھر لیٹ جانے سے ان کا امکان اور کم سے کمتر ہو جاتا ہے۔

(۱۶۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ
وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ۔

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ لوگوں کو دین سکھاؤ، دین کی تعلیم دو، اور تعلیم میں آسانی پیدا کرو، دشواری پیدا نہ کرو، اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ اس وقت خاموشی اختیار کرلے، یہ آخری بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔

(مسند احمد ومعجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) غصہ کے بُرے نتیجوں سے اپنی حفاظت کرنے کے لئے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دوسری تدبیر ہے کہ جب غصہ آئے تو آدمی خاموش رہنے کا فیصلہ کرلے، ظاہر ہے کہ پھر غصہ دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گا، اور بات آگے نہ بڑھے گی۔ (اس حدیث میں

(۱۶۵) عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ ـــــ (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) عطیہ بن عروہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے (یعنی غصہ میں حدود سے تجاوز شیطان کے اثر سے ہوتا ہے) اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے (یعنی شیطان اپنی اصل کے لحاظ سے آتشی ہے) اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے۔ تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرلے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) غصہ کو فرو کرنے کی یہ خاص الخاص تدبیر ہے، اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ

کارگر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آجائے، اور اسی وقت اٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کرلیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائے گا، اور بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ وضو کا پانی براہ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا۔

اللہ کیلئے غصہ کو پی جانے کی فضیلت اور اُس کا صلہ:۔

(۱۶۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى ـــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اُس گھونٹ سے افضل ہو، جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔ (مسند احمد)

(تشریح) غصہ کو پی جانا جس طرح اُردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہے، بلکہ اُردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پینے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ کی رضا کا باعث ہوسکتا ہے، لیکن ان سب میں افضل ترین اللہ کی رضا جوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے۔

جن خوش خصال اور پاکیزہ صفات بندوں کے لئے جنت آراستہ کی گئی ہے، قرآن مجید میں اُن کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ـــــــ	غصہ کو پی جانیوالے اور دوسرے کی زیادتی یا دوسرے کے قصور کو معاف کردینے والے

(١٦٧) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَّهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّنْفِذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِيْ اَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

(ترجمہ) سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ جو شخص پی جائے غصہ کو درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کرسکتا ہے (لیکن اسکے باوجود محض اللہ کے لئے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے، اور جس پر اس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے، اور اس کو اختیار دیں گے کہ حوران جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کرلے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

(تشریح) تجربہ شاہد ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کر ڈالے، پس جو بندہ قدرت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دنیا میں قربان کرے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے، کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمایا جائے گا کہ اپنے دل کی چاہت کی اس قربانی کے بدلے آج حوران جنت میں سے جو حور چاہو اپنے لئے انتخاب کرلو۔

(١٦٨) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ اِلَى اللّٰهِ قَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهٗ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ جو کوئی (دوسروں کی بدگوئی وغیرہ بُری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اسکے عیوب اور اس کی بُرائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصّہ کو روکے گا، اور پی جائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا، اور وہ عذاب سے بچ جائے گا، اور جو بندہ اپنی تقصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا، اللہ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرما دے گا)۔

(شعب الایمان للبیہقی)

حلم و بردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے:-

(۱۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ ــــــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے سردار اشج سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:- تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں:- ایک بردباری (غصّہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قبیلۂ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینۂ طیبہ آیا، اس وفد کے سارے لوگ اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور کی خدمت میں پہونچ گئے، لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرف اشج تھا، انھوں نے یہ جلدبازی نہیں کی، بلکہ اتر کے پہلے سارے سامان کو یکجا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے، اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے

اس رویہ کو پسند فرمایا، اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا، کہ:۔ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں۔۔ ایک حلم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا، اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا، اور دوسری اَناۃ یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا، بلکہ ہر کام کو متانت اور وقار کے ساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

ہر کام متانت اور وقار کیساتھ انجام دینے کی فضیلت اور ترغیب:

(۱۷۰) عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَنَاةُ مِنَ اللهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے، اور اسکے برعکس جلد بازی ایک بری عادت ہے، اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

(۱۷۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ ـــــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی

عادت، اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصّوں میں سے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور انکی ترغیب دینا ہے ——— اور نبوت کے حصّوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصّہ ہیں، یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں، ان کے چوبیس حصّوں میں سے ایک حصّہ یہ تین چیزیں ہیں:۔ یعنی اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت، اور میانہ روی۔

میانہ روی "میانہ روی" ہم نے حدیث کے لفظ اقتصاد کا ترجمہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے، یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپ نے اعتدال و میانہ روی کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض صحابہ نے بہت زیادہ عبادت گذاری کا ارادہ کیا، یعنی دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری رات جاگ کر نمازیں پڑھنے کا منصوبہ بنایا، تو آپ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی، اور اس سے منع فرما دیا۔ اسی طرح بعض صحابہ نے جب اپنا پورا مال راہ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، تو آپ نے ان کو اس سے روک دیا، اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی ——— بہرحال اقتصاد کا مطلب یہی اعتدال کی چال ہے ——— "کتاب الرقاق" کی متعدد حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "الاقتصاد فی الفقر والغنیٰ" کی ترغیب اور تاکید آپ پڑھ چکے ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ تنگدستی اور فراخ دستی دونوں حالتوں میں آدمی اعتدال کی درمیانی چال چلے، اسی کو اس حدیث میں نبوت کا ایک جز بتایا گیا ہے۔

خوش کلامی اور بد زبانی :۔

انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے اسکے ابنائے جنس کا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اور جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دور رس ہوتے ہیں، ان میں سے اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی اور نرمی یا سختی بھی ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین و متعلقین کو شیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے، اور بد زبانی اور سخت کلامی سے شدت کے ساتھ منع فرماتے تھے، یہاں تک کہ بری بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے ذیل کی چند حدیثیں پڑھئے :۔

(۱۷۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ يَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ قَالَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انھوں نے (نفس کی خباثت اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے) کہا: "اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ" (جو در اصل ایک گالی ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ان کی اس گستاخی کو سن لیا اور سمجھ لیا اور) جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو آئے، اور تم پر خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے عائشہ (ایسی سختی نہیں!) زبان کو نرمی کا عادی بناؤ اور رفق اختیار کرو اور سختی اور بد زبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) گویا آپ نے ان یہودیوں کی ایسی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند

نہیں فرمایا، اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۷۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَلَا لَعَّانٍ وَلَا فَاحِشٍ وَلَا بَذِيٍّ۔۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ مومن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، اور نہ بدگو، اور نہ گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن کا مقام یہ ہے اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے، کتاب الایمان میں وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں اختلاف و نزاع کے وقت گالیاں بکنے کو منافق کی نشانی بتلایا گیا ہے۔

(۱۷۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ اَوْ بِئْسَ رَجُلُ الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ قَالَ ائْذَنُوْا لَهٗ فَلَمَّا دَخَلَ اَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ وَقَدْ قُلْتَ لَهٗ مَا قُلْتَ قَالَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ وَدَعَهٗ اَوْ تَرَكَهُ النَّاسُ لِاتِّقَاءِ فُحْشِهٖ۔

(رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد واللفظ لہ)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اجازت چاہی، آپ نے (ہم لوگوں سے) فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا برا فرزند ہے، یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو آنے کی اجازت دیدو، پھر جب وہ آگیا تو آپ نے اُس کے ساتھ گفتگو بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ چلا گیا) تو حضرت عائشہ نے آپ سے عرض کیا کہ :۔

یارسول اللہ! آپ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی، اور پہلے آپ نے اسی کے بارے میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے قبیلہ کا بہت بُرا آدمی ہے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا، جس کی بدزبانی اور سخت کلامی کے ڈر سے لوگ اس کو چھوڑ دیں (یعنی اس سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کریں)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی شریر اور بُرا بھی ہو، جب بھی اُس سے بات نرمی سے اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہئے، ورنہ بدزبانی اور سخت کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایسے شخص سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں، اور جس شخص کا یہ حال ہو، وہ اللہ کے نزدیک بہت بُرا آدمی ہے، اور قیامت کے دن اُس کا حال بہت بُرا ہوگا۔

اس حدیث کے بارے میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں :۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے آنے سے پہلے اُسکے بُرے آدمی ہونے کی اطلاع اپنے پاس والوں کو غالباً اسلئے دی تھی کہ وہ اسکے سامنے محتاط ہوکر بات کریں، اور کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جو کسی شریر اور بُرے آدمی کے سامنے نہ کرنی چاہئے، اور ایسی کسی مصلحت سے کسی شخص کی بُرائی سے دوسروں کو خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اُذْكُرُوا الْفَاجِرَ بِمَا فِيهِ لِكَيْ يَحْذَرَهُ النَّاسُ" (فاجر و بدکار آدمی میں جو برائی ہے اُس کا لوگوں سے ذکر کردو، تاکہ اللہ کے بندے اسکے شر سے محفوظ رہ سکیں)۔ کنز العمال

(۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس آدمی کا شریر اور بُرا ہونا معلوم ہو اُس سے بھی گفتگو نرمی ہی سے کرنی چاہئے، بلکہ اسی واقعہ کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطَ

الکیلہ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اُس آدمی سے شگفتگی اور خندہ روئی کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جن لوگوں کی برائی اور بدکرداری ہم جانتے ہوں اُن سے اچھی طرح ملنا بھی نہ چاہئے صحیح نہیں ہے ــــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ "اِنَّا لَنَکْشِرُ فِیْ وُجُوْہِ اَقْوَامٍ وَاِنَّ قُلُوْبَنَا لَتَلْعَنُھُمْ" یعنی ہم بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ہنس کر ملتے اور بولتے ہیں، جن کے احوال اور اعمال کے لحاظ سے ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

البتہ اگر کسی خاص موقع پر سختی اور اظہار ناراضی ہی میں مصلحت نظر آئے، تو وہاں سختی کا رویہ اختیار کرنا بھی صحیح ہوگا۔

(۳) اس حدیث کی ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ جس آدمی کے بارے میں آپ نے خود فرمایا تھا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، اُس سے آپ نے ایسی بشاشت اور شگفتگی کے ساتھ کیوں ملاقات اور بات چیت فرمائی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: "یَا عَائِشَۃُ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ" یعنی اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ بدزبان اور فحش گو آدمی کو دوست نہیں رکھتا، مطلب یہ ہے کہ بدزبانی کی عادت اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کر دیتی ہے، لہٰذا میں کیسے اس کا مرتکب ہو سکتا ہوں۔

(۱۷۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَۃٌ ــــــــ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ: اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے جس پر بندہ اجر کا مستحق ہوتا ہے)۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری نے اس پوری حدیث

کو بھی روایت کیا ہے، اور ایک جگہ تعلیقاً صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے، مطلب ظاہر ہے —— کسی کے ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اسکے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے، اور اللہ کے کسی بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے، کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے۔

" دل بدست آور کہ حج اکبر است "

کم بولنا اور بری اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا:۔

دنیا میں جھگڑے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر زبان ہی سے ہوتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے، کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے، اور ہر قسم کی بری باتوں سے، بلکہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرنے سے بھی زبان کو روکا جائے، اور جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات سے کسی خیر اور نفع کی امید نہ ہو تو خاموش ہی رہا جائے —— یہ تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جن پر آپ نے نجات کا دارومدار بتلایا ہے، اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی عبادات کی نورانیت اور ان کا حسن و قبول بھی زبان کی اسی احتیاط پر موقوف ہے۔

اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات "کتاب الرقاق" میں گذر چکے ہیں، چند حدیثیں یہاں اور درج کی جاتی ہیں:۔

(۱۷۶) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِيْ مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ أَمْرٍ عَظِيْمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَ

تَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى
اَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ
كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ۔ ثُمَّ
تَلَا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُوْنَ
ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ بِرَاْسِ الْاَمْرِ وَعَمُوْدِهٖ وَذُرْوَةِ سَنَامِهٖ
قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ رَاْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ
الصَّلٰوةُ وَذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ۔ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمِلَاكِ
ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ فَقَالَ كُفَّ
عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ
بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِى النَّارِ
عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ۔

(رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

(ترجمہ) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ۔ حضرت! مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جس کی وجہ سے
میں جنت میں پہونچ جاؤں، اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں، آپ نے فرمایا۔
تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے، لیکن (بڑی اور بھاری ہونے کے باوجود) وہ
اس بندے کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دے (اور توفیق
دیدے) ۔۔۔ لو سنو! (سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی مطالبوں کو
فکر اور اہتمام سے ادا کرو) اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور
اچھے طریقے (اور دل کی توجہ کے ساتھ) نماز ادا کیا کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو، اور رمضان کے
روزے رکھا کرو، اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا۔ کیا میں تمہیں خیر کے دروازے بھی

بتا دوں؟ (گویا جو کچھ اب تک آپ نے بتلایا یہ تو اسلام کے ارکان اور فرائض تھے
اسکے بعد آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمھیں خیر کے اور دروازے بتلا دوں! غالباً
اس سے آپ کی مراد نفل عبادات تھیں، چنانچہ حضرت معاذ کی طلب دیکھ کر آپ نے
اُن سے فرمایا) روزہ (گناہوں سے اور دوزخ کی آگ سے بچانے والی) سپر اور
ڈھال ہے، اور صدقہ گناہ کو (اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ کو) اس طرح
بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات کے درمیانی حصّے کی نماز
(یعنی نمازِ تہجد کا بھی یہی حال ہے، اور ابوابِ خیر میں اس کا خاص الخاص مقام ہے)
اسکے بعد آپ نے (تہجد اور صدقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں) سورۂ سجدہ کی یہ آیت پڑھی[1]
تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ——— پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمھیں معاملہ کا
(یعنی دین کا) سر اور اسکا عمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتا دوں؟ (معاذ کہتے
ہیں) میں نے عرض کیا: حضرت ضرور بتا دیں! آپ نے فرمایا: دین کا سر یا سرا
اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے ———
پھر آپ نے فرمایا: کیا میں تمھیں وہ چیز بھی بتا دوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے (اور
جس کے بغیر یہ سب چیزیں ہیچ اور بے وزن ہیں، معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت

---

[1] اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان والے بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ راتوں کو وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر خوف اور امید کی کیفیت کے ساتھ ہماری عبادت اور ہم سے دعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہم نے جو تھوڑا بہت دنیا میں ان کو دیا ہے وہ اس میں سے ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی صدقہ و خیرات کرتے ہیں) ان کے اعمالِ خیر کے صلہ میں دیئے جانے کے لئے جو نعمتیں اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والا جو سامان پردہ غیب میں رکھا گیا ہے اس کو کوئی بھی نہیں جانتا بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔

وہ چیز بھی ضرور بتلا دیجئے، پس آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا:۔ اس کو روکو (یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ چلنے میں بیباک اور بے احتیاط نہ ہو) معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت! ہم جو باتیں کرتے ہیں، کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا۔ اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے (عربی محاورے کے مطابق یہاں یہ پیار کا کلمہ ہے) آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل، یا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بیباکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں ارکانِ اسلام کے بعد آپ نے ابوابِ خیر کے عنوان سے روزہ اور صدقہ کا جو ذکر فرمایا ہے، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد نفلی روزہ اور نفلی صدقہ ہے، اور اسی لئے آپ نے اس کے ساتھ نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو نفل نمازوں میں سب سے افضل ہے ۔۔۔ پھر آپ نے اسلام کو "راس الامر" یعنی دین کا سر بتلایا ہے، بظاہر یہاں اسلام سے مراد اسلام قبول کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سارے اچھے عمل کرے اور اسکے اخلاق و معاملات بھی اچھے ہوں لیکن وہ اسلام کو اپنا دین نہ بنائے تو اس کی مثال ایک ایسے جسم کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب درست ہوں لیکن سر کٹ گیا ہو، پھر نماز کو آپ نے دین کا ستون بتلایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی مکان بغیر ستون کے قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح بغیر نماز کے دین کا قیام نہیں، پھر آپ نے جہاد کو دین کی بلند ترین چوٹی فرمایا، ظاہر ہے کہ دین کی بلندی اور رفعت جہاد ہی پر موقوف ہے ۔۔۔ حدیث کا سب سے آخری جز جس کی وجہ سے یہاں اس حدیث کو درج کیا گیا ہے، یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کا دارو مدار اس پر ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے، یعنی زبان کی بیباکیاں ان سب اعمال حسنہ کو بے وزن اور بے نور کر دیتی ہیں ۔۔۔ پھر جب حضرت معاذ کو یہ سن کر تعجب ہوا، اور انھوں نے دریافت کیا، کہ کیا باتوں پر بھی ہماری پکڑ ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا آدمی جہنم میں اوندھے منہ زیادہ تر زبان ہی کی بے احتیاطیوں اور

بیباکیوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے۔ ۔۔۔۔۔ آج بھی ہر دیکھنے والا بچشم خود دیکھ سکتا ہے، کہ جو بڑے بڑے گناہ وبا کی طرح عام ہیں اور جن سے بچنے والے بہت ہی کم ہیں۔ ان کا تعلق زیادہ تر زبان و دہن ہی سے ہے ؎

ہر چہ بر آدمی رسد ز زیاں ہمہ از آفت زباں برسد

(۱۷۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رَفَعَهٗ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ کُلَّهَا تُکَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِیْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا ۔۔۔۔۔۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضا عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر) اور ہمارے بارے میں خدا سے ڈر، کیونکہ ہم تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں، تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی، تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اس کا خمیازہ بھگتیں گے)۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ انسان کے ظاہری اعضا میں سے زیادہ تر زبان ہی کی غلط روی لوگوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا باعث ہوگی ۔۔۔۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ زبان کی اسی خاص نوعیت کی وجہ سے ہر روز انسان کے سارے اعضا بزبان حال یا بزبان قال پوری عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا کی بندی ہماری صلاح و فلاح اور ہمارے انجام کی اچھائی برائی تجھ سے ہی وابستہ ہے اسلئے ہم پر رحم کر اور خدا سے بے خوف ہو کر بیباکانہ نہ چل، ورنہ تیرے ساتھ ہم بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

ایک دوسری مشہور حدیث میں اعضاء انسانی میں سے قلب کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ "اِذَا صَلُحَ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام جسم اور اسکے سارے اعضاء کا صلاح وفساد اسکے قلب کے صلاح وفساد سے وابستہ ہے) لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، اصل تو قلب ہی ہے لیکن ظاہری اعضاء میں چونکہ زبان ہی اس کی خاص ترجمان ہے، اسلئے دونوں کی نوعیت یہی ہے، کہ اگر یہ ٹھیک ہیں تو خیریت ہے اور اگر ان میں فساد اور کجی ہے تو پھر انسان کی خیریت نہیں۔

---

(۱۷۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

(رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ جو شخص ذمہ لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) میں اس کے لئے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرمگاہ ہے، اس لئے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ:۔ جو بندہ اس کا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کرے گا، اور شہوتِ نفس کو بھی خدا کے احکام کا پابند رکھے گا، میں اس کے لئے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہلِ ایمان ہوتے تھے جو آپ ہی کی تعلیم وتلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو صاحبِ ایمان ہوں اور ایمان کے

بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں۔

(۱۷۹) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ وَقَالَ هٰذَا

(رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، حضرت! میرے بارے میں جن باتوں کا حضور کو خطرہ ہو سکتا ہے ان میں زیادہ خطرناک اور خوفناک کیا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی زبانِ مبارک پکڑ کے فرمایا کہ:۔ سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تم سے کسی اور برائی کا تو زیادہ خطرہ نہیں ہے البتہ یہ خطرہ ہے کہ تمہاری زبان بیجا چلے، لہٰذا اس کے بارے میں ہوشیار اور محتاط رہو ۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ سوال کرنے والے سفیان بن عبداللہ ثقفی کی زبان میں کچھ تیزی ہو، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۱۸۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا ۔۔۔۔۔

(رواه احمد والترمذی، والدارمی والبیهقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو چپ رہا وہ نجات پا گیا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بری باتوں اور فضول باتوں سے زبان کو روکا، وہ ہلاکت کے غار میں گرنے سے بچ گیا، ابھی حضرت معاذ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ آدمی جہنم میں زیادہ تر زبان ہی کی بیباکیوں کی وجہ سے اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔

(۱۸۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ؟ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ ـــــــ (رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت (مجھے بتا دیجئے کہ) نجات حاصل کرنے کا گُر کیا ہے؟ (اور نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں؟) آپ نے ارشاد فرمایا اپنی زبان پر قابو رکھو (وہ بے جا نہ چلے) اور چاہئے کہ تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہو اور اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور میں رویا کرو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) زبان پر قابو رکھنے اور اپنے گناہوں پر رونے کا مطلب تو ظاہر ہے لیکن ان دو کے علاوہ تیسری نصیحت جو آپ نے یہ فرمائی کہ "تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہونی چاہئے" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر کا کوئی کام نہ ہو تو آوارہ گردوں اور بے فکروں کی طرح باہر نہ گھوما کرو، بلکہ اپنے گھر میں اور بال بچوں میں رہ کر گھر کے کام کاج دیکھا کرو، اور اللہ کی عبادت کیا کرو ـــــــ تجربہ شاہد ہے کہ بے ضرورت باہر گھومنا سینکڑوں برائیوں اور فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

(۱۸۲) عَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَاَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ؟ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا ـــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ:۔ میں تمہیں ایسی دو خصلتیں

بتا دوں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (ان کے اختیار کرنے میں آدمی پر کچھ زیادہ بوجھ نہیں پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بہت بھاری ہوں گی؟ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ:۔ یارسول اللہ وہ دونوں خصلتیں ضرور بتلا دیجئے! آپ نے فرمایا: زیادہ خاموش رہنے کی عادت، اور حسن اخلاق۔ قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں بے مثل ہیں۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے، زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہی ہے، کہ بے ضرورت اور نامناسب و ناپسندیدہ باتوں سے آدمی اپنی زبان روکے رہے، جس شخص کا یہ طرز عمل ہوگا، قدرتی طور پر وہ کم بولنے والا اور زیادہ خاموش رہنے والا ہوگا ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی ضرورت تھی، کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے آپ کو ہدایات دینی تھیں، اور آپ اس ضرورت سے بولنے میں کوئی کمی نہ کرتے تھے، بتانے کی ہر چھوٹی بڑی بات بتلاتے تھے، لیکن اسکے باوجود آپ کے دیکھنے والے صحابہ کرامؓ نے آپکا حال یہ بیان فرمایا ہے، کہ "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيْلَ الصَّمْتِ[1]" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خاموش رہتے تھے) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيْمَا يَرْجُوْا ثَوَابَهٗ[2]" (آپ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی)

(۱۸۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ قَالَ أَتَيْتُ أَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ مُحْتَبِيًا بِكِسَاءٍ أَسْوَدَ وَحْدَهٗ فَقُلْتُ يَا أَبَا ذَرٍّ مَا

---

[1] رواه البغوی فی شرح السنه عن جابر بن سمرة ـ مشکوٰة باب فی اخلاقه وشمائله

[2] رواه الطبرانی فی الکبیر فی حدیث طویل عن الحسن بن علی فی صفاته و شمائله صلی الله علیه وسلم (جمع الفوائد)

هٰذِهِ الْوَحْدَةُ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتِ وَالسُّكُوْتُ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ ۔۔۔۔۔۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) عمران بن حطّان تابعی سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت ابو ذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے اُن کو مسجد میں اِس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کملی لپیٹے ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا، اے ابو ذر! یہ تنہائی اور یکسوئی کیسی ہے؟ (یعنی آپ نے اِس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار فرمایا ہے!) انھوں نے جواب دیا، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ: "بُرے ساتھیوں کی ہمنشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے، اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے، اور کسی کو اچھی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور بُری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اِس حدیث میں یہ بات زیادہ صراحت و وضاحت کیساتھ آگئی ہے کہ خاموشی کی جو افضلیت ہے وہ بُری باتیں کرنے کے مقابلے میں ہے، ورنہ اچھی باتیں کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے، اِس طرح یہ بات بھی صراحت سے آگئی ہے کہ بُرے لوگوں کے ساتھ اختلاط و ہمنشینی سے بہتر تنہائی ہے، لیکن صلحا کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

(ف) یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ کے بندوں کی طبیعتیں اور انکی استعدادیں اور انکے رجحانات بہت مختلف ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اتنی حکیمانہ وسعت اور ایسی جامعیت ہے کہ مختلف طبائع اور مختلف رجحانات رکھنے والے بندگانِ خدا اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق آپ کی اتباع کر کے اللہ کے قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا مزاج اور ذوق ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو وہ پسند نہ کریں، اُن سے ملنا جلنا اُن کے لئے شاق اور گراں ہوتا ہے، اور وہ ایسے لوگوں سے اختلاط

رکھنے میں اپنا نقصان محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم اور رہنمائی موجود ہے جس کا ذکر حضرت ابوذر غفاری نے اس حدیث میں فرمایا، اور جس پر خود اُن کا عمل تھا ـــــ اور بعض لوگ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے احوال اور چال چلن کو وہ پسند نہ کریں اُنکی بھی اصلاح اور درستی کیلئے اُن سے ملنا جلنا اور انکے بُرے اثرات سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ اختلاط رکھنا اور مختلف صورتوں سے اُنکی خدمتیں کرنا اُن کے لئے شاق نہیں ہوتا، بلکہ ان کو اس سے مناسبت ہوتی ہے، اُن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیثوں میں (جو اپنے موقع پر آئیں گی) اسی طرزِ عمل کی ... فرمائی ہے، اور اکثر صحابۂ کرام جو حضرت ابوذر کی طرح تنہائی پسند نہیں تھے، ان کا طرزِ عمل وہی تھا ـ ـ ـ ـ پس صحابۂ کرام کی سیرت کے بعض پہلوؤں میں، اور اسی طرح زمانۂ مابعد کے اہلِ ایمان اور اہلِ صلاح کے مختلف طبقوں کے طرزِ عمل میں جو اس طرح کی رنگا رنگی کہیں کہیں نظر آتی ہے اسکی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی طبیعتوں اور مزاجی مناسبتوں کے قدرتی فرق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی جامعیت اور کاملیت کا وہ قدرتی نتیجہ ہے ـــــ جو لوگ اپنی تنگ نظری سے سب کو ایک ہی حال اور بالکل ایک ہی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں، درحقیقت انھوں نے دین کی وسعت تعلیمِ نبوی کی جامعیت و کاملیت اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی و تشریعی حکمت پر غور نہیں کیا ہے۔

ترکِ مالا یعنی :ـــ

(۱۸۳) عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ ـــــ

رواه مالك واحمد ورواه ابن ماجة عن ابى هريرة والترمذى والبيهقى فى شعب الايمان عنهما ـ

(ترجمہ) حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کی اسلامیت کے حُسن و کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اُس کے لئے ضروری اور مفید نہ ہو اُس کو چھوڑ دے۔

(اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت علی بن الحسینؓ

سے مرسلاً روایت کیا ہے، اور ابن ماجہ نے سنن میں مسنداً حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے جامع میں، اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو اسی طرح مرسلاً و مسنداً ان دونوں بزرگوں سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں نہ کرنا اور لغو و فضول مشغلوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا کمال ایمان کا تقاضا اور آدمی کے اسلام کی رونق و زینت ہے، اسی خصلت کا مختصر اصطلاحی عنوان "ترک مالا یعنی" ہے۔

چغلخوری :۔

جن بُری عادتوں کا تعلق زبان سے ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو سنگین جرم اور گناہِ عظیم قرار دیا ہے، اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے، انہیں سے ایک چغلخوری بھی ہے ـــــ یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اُس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کرکے باہمی تعلقات کو خراب کردے، اسی بُری عادت کا نام چغلخوری ہے ـــــ چونکہ آپس کے تعلقات کی درستی و خوشگواری اور حُسنِ معاشرت اور باہم میل و محبت تعلیم نبویؐ کے مقاصد میں سے ہے (یہاں تک کہ ایک حدیث میں بعض حیثیتوں سے اس کو عبادات سے بھی اہم قرار دیا گیا ہے) اسلئے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کرکے بغض و عداوت اور مخالفت و منافرت پیدا کرے، ظاہر ہے کہ وہ بدترین درجہ کی معصیت ہوگی۔ بہرحال چغلخوری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے سخت ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے، اور آخرت میں سامنے آنے والے اسکے بُرے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

(۱۸۵) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ ـــــ رواه البخاري وفي رواية مسلم نمّام۔

(ترجمہ) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ چغلخور آدمی جنّت میں داخل نہ ہوسکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ چغلخوری کی عادت اُن سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنّت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں، اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کیساتھ جنّت میں نہ جاسکے گا، ہاں

اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کسی کو معاف کرکے یا اس جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کردے، تو اسکے بعد داخلہ ہوسکے گا۔

(۱۸۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غُنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاءُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ ــــــ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) عبدالرحمٰن بن غنمؓ اور اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے، اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں اور جو اسکے طالب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ انکے دیکھنے سے خدا یاد آئے، اور بدترین انسان ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عادۃً چغلخور ہوں اور چغلیاں کھا کھا کے دوستوں میں پھوٹ ڈلوانا جن کی عادت اور جن کا دلچسپ مشغلہ ہو، اور جو بندگانِ خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں ــــــ پس آدمی کو چاہئے کہ وہ صحبت و محبت کیلئے ایسے بندگانِ خدا کو تلاش کرے جن کے دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو، اور اللہ یاد آئے، اور جن کے پاس بیٹھنے سے قلب میں زندگی اور بیداری پیدا ہو، اور اسکے برخلاف جو ناخدا شناس اور موذی لوگ دوسروں کی برائی کے درپے رہتے ہوں، اور ان کو بدنام کرنا، اور نقصان پہنچانا جن کا خاص مشغلہ ہو ان سے بچے، اور انکے برے اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتا رہے۔

(۱۸۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِيْ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِيْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ ــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا۔ میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھے نہ پہنچایا کرے میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے صاف) اور بے روگ ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعہ اُمت کو سبق دیا کہ دوسروں کے متعلق ایسی باتیں سُننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہئے جن سے اسکے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنجش وغیرہ پیدا ہونے کا امکان ہو (لیکن واضح رہے کہ جن موقعوں پر شرعی ضرورت اور دینی مصلحت کا تقاضا ایسی باتیں کہنے یا سُننے کا ہو وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہوں گے)۔

غیبت اور بہتان :-

جس قسم کے مفاسد اور جو خطرناک نتیجے چغلخوری سے پیدا ہوتے ہیں وہی بلکہ اُن سے بھی کچھ زیادہ سنگین قسم کے نتیجے غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں ——— غیبت یہ ہے کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اسکے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے جس کے ذکر سے اس کو ناگواری اور اذیت ہو، اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر و ذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔ چونکہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی اور بے آبروئی ہوتی ہے، اور اس کو روحانی تکلیف پہنچتی ہے، اور دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے، جسکے نتائج بعض حالتوں میں بڑے خطرناک اور دور رس نکلتے ہیں اسلئے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اسکی انتہائی شناعت اور گندگی کو ذہن نشین کرنے کیلئے قرآن و حدیث میں "اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے" سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے ——— بہر حال غیبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھٹیا بد اخلاقی اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے ——— اور بہتان کا درجہ اس سے بھی آگے ہے، بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی طرف ایسی کسی بُرائی اور بداخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک ہو، ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے، اور ایسا کرنے والے اللہ کے اور اسکے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں ——— اس تمہید کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چند حدیثیں پڑھئے !:-

(۱۸۸) عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ قَلْبَهٗ لَا تَغْتَابُوا

الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِيْ بَيْتِهِ ـــ

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو، اور ایمان ابھی انکے دلوں میں نہیں اترا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور انکے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور انکی تشہیر کرنے میں دلچسپی نہ لیا کرو) کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اسکے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جسکے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اسکے گھر میں ذلیل کرے گا۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اسکے عیوب اور کمزوریوں کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہو سکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں اور ایمان نے انکے دلوں میں گھر نہ کیا ہو

(۱۸۹) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عُرِجَ بِيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِيْ أَعْرَاضِهِمْ ــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔ جب مجھے معراج ہوئی تو (ملاء اعلیٰ کے اس سفر میں) میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے سے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں، جبرئیل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور انکی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) نُحاس کے اصل معنی تانبے کے ہیں، اور آگ جب بالکل سرخ ہو تو اُس کو بھی نُحاس کہا جاتا ہے، اس حدیث میں "نُحاس کے ناخنوں" کا جو ذکر ہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ اُن لوگوں کے ناخن جہنّم کی آگ میں تپے ہوئے سُرخ تانبے کے یا تانبے کے سے تھے، اور یہ انھی ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے ——— ان کیلئے عالم برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اسلئے تجویز کی گئی کہ دُنیوی زندگی میں یہ مجرمین اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے، اور یہ اُن کا محبوب شغل تھا۔

(۱۹۰) عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ وَجَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا. قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ الْغِيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا؟ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِيْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ) وَإِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى يَغْفِرَهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ. حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا: (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اُسکی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف کردے جس کی اُسنے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔
(شعب الایمان للبیہقی)

(۱۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ؟ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا:۔ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا:۔ اللہ اور اسکے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ تمھارا اپنے کسی بھائی کو اس طرح ذکر کرنا جس سے اُس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے)۔ کسی نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی بُرائی ذکر کروں جو واقعۃً اُس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا:۔ غیبت جب ہی ہوگی جبکہ وہ بُرائی اُس میں موجود ہو، اور اگر اس میں وہ بُرائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اُس کی طرف نسبت کرکے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہوجاتا ہے، اور یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

(ف) یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر اللہ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے انسداد کیلئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی بُرائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے، یا اسکے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی، اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو تو پھر اس شخص یا گروہ کی بُرائی کا بیان کرنا اُس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً حرام اور گناہِ کبیرہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں تو یہ کارِ ثواب ہوگا۔

چنانچہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا یا کسی پیشہ ور دھوکے باز کی حالت سے لوگوں کو باخبر کرنا، تاکہ وہ اسکے دھوکے میں نہ آئیں، اور حضرات محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا، اور دین و شریعت کے محافظ علماءِ حق کا اہلِ باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب اسی قبیل سے ہے۔

دورخے پن کی ممانعت :-

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا دو گروہوں میں اختلاف و نزاع ہو تو وہ ہر فریق سے مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں تو اس کے ساتھ اپنے حسن تعلق کا اظہار کرتے ہیں، اور پیچھے اس کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرتے ہیں، ایسے آدمی کو "دو زبان" "دو رخا" کہتے ہیں، اور عربی میں ذو الوجہین کہا جاتا ہے ۔ ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ عمل ایک طرح کی منافقت اور ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے، جس سے بچنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو سخت تاکید فرمائی ہے، اور بتلایا ہے کہ یہ سخت گناہ کی بات ہے، اور ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

(۱۹۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذَا الْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم قیامت کے دن سب سے برے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ ادھر ہوتا ہے، اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو ادھر۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح) قیامت میں ایسا آدمی جس بدترین حالت میں دیکھا جائے گا اس کی کچھ تفصیل اس سے اگلی حدیث سے معلوم ہو سکتی ہے

(۱۹۳) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَیْنِ فِی الدُّنْیَا كَانَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ ۔

(رواه ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ دنیا میں جو شخص دورُخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں مختلف قسم کے ہیں، اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں، اسی طرح بُرے اعمال اور بُرے اخلاق جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں وہ بھی مختلف قسم اور مختلف درجے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی اور بدی کا ثواب و عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے، پس دورُخاپن (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں آگ کی دو زبانیں ہوں گی، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!۔ واضح رہے کہ جانوروں میں سے بعضے سانپوں کی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات ہم سب کے لئے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بداعمالیاں اور بداخلاقیاں حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سنگین ہیں، لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہئے اتنی فکر نہیں کرتے، ایسی ہی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔ وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۔ "(تم اس کو معمولی اور ہلکی بات سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین اور بہت بڑی بات ہے)۔ یہ بُری عادت (دورُخاپن) بھی اسی قبیل سے ہے، ہم میں سے بہت سے اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں، اور اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا سنگین اور خطرناک گناہ ہے اور آخرت میں اس پر کتنا سخت عذاب ہونے والا ہے۔

صدق و امانت اور کذب و خیانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں جن اخلاقِ حسنہ پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور جن کو لازمۂ ایمان و اسلام قرار دیا ہے اُن میں سچائی اور امانت داری کو خاص اہمیت حاصل ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث "کتاب الایمان" میں گذر چکی ہے کہ جھوٹ بولنا اور امانت میں خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا، نفاق کی خاص علامات میں سے ہے، اور جس شخص میں یہ بُرائیاں جمع ہوں وہ منافق ہے۔ اسی طرح یہ حدیث بھی وہاں ذکر کی جا چکی ہے کہ "جس میں امانت نہیں اُس میں ایمان نہیں" اور یہ کہ "مومن جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا"

اب یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے براہِ راست سچائی اور امانت داری پر قائم رہنے اور جھوٹ اور خیانت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(١٩٣) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ

كَذَّابًا ــــ ـ ـ ـ ــ ... رواه البخاری ومسلم ــ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ تم سچائی کو لازم پکڑ لو ۔ اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور نیکی جنّت تک پہنچا دیتی ہے ، اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے ، اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدّیقیت تک پہنچ جاتا ہے ، اور اللہ کے یہاں صدّیقین میں لکھ لیا جاتا ہے ـــــ اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو، کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستہ پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے ، اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے ، تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذّابین میں لکھ لیا جاتا ہے ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذاتِ خود بھی نیک عادت ہے ، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنّت کا مستحق بنا دیتی ہے ، اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدّیقیت تک پہنچ جاتا ہے ، اسی طرح جھوٹ بولنا بذاتِ خود بھی ایک خبیث خصلت ہے ، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میلان پیدا کر کے اور اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے ، نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذّابیت کے درجے تک پہنچ کر پورا العنتی بن جاتا ہے ۔

(۱۹۵) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اَوْ یُحِبَّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ

إذا حدّث وليؤدّ أمانته إذا اؤتمن وليحسن جوار من جاوره

رواه البيهقي في شعب الإيمان۔

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہؓ وضو کا پانی لے لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر ملنے لگے، آپ نے فرمایا "تم کو اس چیز: اس فعل پر آمادہ کرتی ہے اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت! اُن کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا:- جس شخص کی یہ خوشی ہو اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ و رسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ و رسول اُس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اُسے بلا خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو، اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کی محبت اور ان کے ساتھ سچے تعلق کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانت داری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے، اگر یہ نہیں تو محبت کا دعویٰ ایک بے جا جسارت اور ایک طرح کا نفاق ہے۔

(۱۹۶) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِضْمَنُوْا لِيْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُمْ وَاَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ۔

(رواه احمد والبيهقي في شعب الايمان)

(ترجمہ) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور اُن کی ذمہ داری لے لو

تو میں تمھارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب کوئی امانت تم کو سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرو یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روکو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ، نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کے لئے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ) ۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ بنیادی اخلاق (صدق و امانت وغیرہ) کا بھی اپنے کو پابند بنا لیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے، اور اس کے لئے اللہ و رسول کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

تجارت میں صدق وامانت :-

(۱۹۷) عَنْ اَبِی سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ

(رواہ الترمذی والدارمی والدارقطنی)

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- سچا اور امانت دار سوداگر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی، سنن دارقطنی)

(تشریح) اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا کہ قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لئے بھی دنیا اور مشاغل دنیا چھوڑنا ضروری نہیں، بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ و رسول کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق و امانت جیسے دینی قوانین کی پابندی

کے ذریعہ آخرت میں حضرات انبیاء اور صدیقین و شہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کر سکتا ہو۔

(۱۹۸) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُونَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی۔

(ترجمہ) عبید بن رفاعہ اپنے والد ماجد حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائیں گے (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہوگا) سوائے ان (خداترس اور خداپرست) تاجروں کے جنھوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ، نیکی اور حسن سلوک اور سچائی کو برتا ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں:۔

(۱۹۹) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا إِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ۔

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن اگر واقعی مومن ہو تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہو سکتی، دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہو سکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، پس اگر کسی میں یہ بری

عادتیں موجود ہوں، تو اسے سمجھ جانا چاہئے کہ اس کو ایمان کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے اور اگر اپنی اس محرومی پر وہ مطمئن نہیں رہنا چاہتا ہے، تو اس کو ان خلاف ایمان عادتوں سے اپنی زندگی کو پاک کرنا چاہئے

جھوٹ کی گندگی اور سڑاہند :-

(۲۰۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ

(رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آجاتی ہے۔

بڑی سخت خیانت :-

(۲۰۱) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَسِيْدٍ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ ————

(رواه ابوداؤد)

(ترجمہ) سفیان بن اسید حضرمی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے:۔ یہ بہت ہی بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات جھوٹی بیان کرو، درانحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اگرچہ بہرحال گناہ ہے اور بہت سنگین گناہ ہے لیکن بعض خاص صورتوں میں اس کی یہ سنگینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے، ان ہی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص تم پر پورا بھروسہ اور اعتبار کرے اور تم کو بالکل سچا سمجھے اور تم اس کے اعتبار اور حسن ظن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس سے جھوٹ بولو، اور اس کو دھوکا دو۔

جھوٹی گواہی:۔

(۲۰۲) عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ———— رواه ابوداؤد وابن ماجه

(ترجمہ) خریم بن فاتک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھی، جب آپ اس سے فارغ ہوئے تو ایک دم کھڑے ہوگئے، اور فرمایا کہ:۔ جھوٹی گواہی اشراک باللہ کے برابر کر دی گئی، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اور قرآن مجید (سورۂ حج) کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ (بتوں کی یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو

اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو، صرف ایک اللہ کے ہو کر، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے)۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر جھوٹ گناہ ہے لیکن اس کی بعض قسمیں اور بعض صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قضیہ اور معاملہ میں جھوٹی گواہی دی جائے، اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعہ کسی اللہ کے بندہ کو نقصان پہنچایا جائے۔ سورہ حج کی مذکورۂ بالا آیت میں جھوٹ کی اسی قسم کو شرک اور بت پرستی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور دونوں سے بچنے کی تاکید کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے اسی طرز بیان کا حوالہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اور اللہ کی ناراضی اور لعنت کا باعث ہونے میں شرک باللہ کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے۔ اور یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی، اور کھڑے ہو کر ایک خاص جلالی انداز میں ارشاد فرمائی۔

اور جامع ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دن صحابہؓ سے ارشاد فرمایا، اور تین دفعہ ارشاد فرمایا۔ "کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا:- اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اور معاملات میں جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا"۔ راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ سہارا لگائے ہوئے بیٹھے تھے لیکن پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور بار بار آپ نے اس ارشاد کو دہرایا، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش اب آپ خاموش ہو جاتے ۔۔۔ یعنی اس وقت آپ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور آپ ایسے جوش سے فرما رہے تھے کہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ آپ کے قلب مبارک پر اس وقت بڑا بوجھ ہے، اس لیے جی چاہتا تھا کہ اس وقت آپ خاموش ہو جائیں، اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں

جھوٹی قسم :-

(۲۰۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ـــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان آدمی کا مال مارلے، تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس بدبخت غضبناک اور ناراض ہوں گے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۲۰۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِّنْ اَرَاكٍ۔

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور سے مارلیا، تو اللہ نے ایسے آدمی کے لیے دوزخ واجب کردی ہے اور جنت کو اس پر حرام کردیا ہے ـــــــ حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ :۔ یا رسول اللہ ! اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی چیز ہو (یعنی اگر کسی نے کسی کی بہت معمولی

سی چیز قسم کھا کر ناجائز طور سے حاصل کرلی، تو کیا اس صورت میں بھی دوزخ اس کے لیے واجب اور جنت اُس پر حرام ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ہاں اگرچہ جنگلی درخت پیلو کی ٹہنی ہی ہو۔

(تشریح) یعنی اگر بالکل معمولی اور بالکل بے حیثیت قسم کی کسی کی کوئی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر کوئی حاصل کرے گا تو وہ بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

(۲۰۵) عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْتَطِعُ اَحَدٌ مَالًا بِيَمِيْنٍ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ اَجْذَمُ ۔۔۔۔۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مارے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان تینوں حدیثوں میں اُس شخص کا انجام بیان کیا گیا ہے جو کسی معاملہ اور مقدمہ میں جھوٹی قسم کھا کر دوسرے فریق کا مال مارے حضرت عبداللہ بن مسعود والی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب خدا کے دربار میں اس کی پیشی ہوگی تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا ۔۔۔۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ ۔۔۔۔ اور حضرت ابو امامہؓ والی دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے، اور دوزخ کا اس کے لیے لازمی اور قطعی فیصلہ ہے ۔۔۔۔ اور اشعث بن قیس کی اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن کوڑھی ہو کر خدا کے سامنے پیش ہوگا ۔۔۔۔ اللہ کی پناہ کتنی سخت ہیں یہ تینوں سزائیں اور ظاہر ہے کہ ان میں باہم کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے، لہٰذا اگر یہ شخص اس گناہِ عظیم سے توبہ اور تلافی کر کے دنیا سے نہیں گیا ہے۔ تو پھر ان حدیثوں کا تقاضا یہی ہے کہ اُس کو یہ سب کچھ پیش آئے گا، اور وہ یہ سارے عذاب چکھے گا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ حاکم کی عدالت میں خدا کی قسم کھا کر اور خدا کو گواہ بنا کر اور دیکر جھوٹ بولنا، اور کسی بندہ کا مال مارنے کے لیے یا اس کو بے آبرو کرنے کے لیے خدا کے پاک نام کو استعمال کرنا، بے بھی ایسا ہی بڑا گناہ کہ اس کی سزا جتنی بھی سخت دی جائے عین حکمت ہے۔

(۲۰۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ ھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَہٗ بِالْحَلْفِ الْکَاذِبِ ـــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اُن سے ہم کلام ہوگا، نہ اُن پر عنایت کی نظر کرے گا، اور نہ گناہوں اور گندگیوں سے اُن کو پاک کرے گا، اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر غفاری رضؓ نے عرض کیا:۔ یہ لوگ تو نامراد ہوئے اور ٹوٹے میں پڑے حضورؐ! یہ تین کون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اپنا تہبند حد سے نیچے لٹکانے والا (جیسا کہ متکبروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان جتانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کے اپنا سودا چلانے والا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) جس طرح حاکم اور جج کے سامنے کسی معاملہ میں جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا نہایت غلط اور ناپاک استعمال ہے اسی طرح اپنے سودے کو بیچنے کے لیے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھا کے اس کو یقین دلانا بھی اسم الٰہی کا نہایت بے محل استعمال اور بڑی دنی حرکت ہے، اس لیے یہ بھی جھوٹ کی نہایت سنگین قسم ہے اور قیامت میں ایسے شخص کو دردناک عذاب دیا جائے گا، اور اپنی اس ذلیل بدکرداری کی وجہ سے یہ کذاب تاجر آخرت میں اللہ تعالیٰ

کی ہم کلامی اور اُس کی نظر کرم اور گناہوں کی بخشش سے محروم رہے گا۔

جھوٹ کی بعض خفی قسمیں :-

جھوٹ کی چند سنگین قسموں کا ذکر تو اوپر ہو چکا، لیکن بعض جھوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بہت سے لوگ جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ وہ بھی جھوٹ ہی میں داخل ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے، ذیل کی حدیثوں میں جھوٹ کی بعض ایسی ہی صورتوں کا ذکر ہے۔

(۲۰۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِيْ أُمِّيْ يَوْمًا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِيْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَاتَعَالَ أُعْطِيْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيْهِ؟ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أُعْطِيَهُ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِيْهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كَذْبَةٌ

(رواہ ابوداؤد والبیھقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے پکارا، اور کہا بڑھ کے آ، میں تجھے کچھ دوں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ماں سے فرمایا:- تم نے اس بچے کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا میں نے اس کو ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یاد رکھو اگر اس کہنے کے بعد تم اس بچے کو کوئی چیز نہ دیتیں، تو تمھارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (سنن ابی داؤد، شعب الایمان للبیھقی)

(تشریح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اصل منشا یہ ہے کہ بچوں کو بہلانے

کے لیے بھی جھوٹ کا استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمان کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہونی ہی نہ چاہیے
علاوہ ازیں اس کی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ماں باپ اگر بچوں سے جھوٹ بولیں گے اگرچہ ان کا
مقصد صرف بہلاوا ہی ہو، پھر بھی بچے اُس سے جھوٹ بولنا سیکھیں گے اور جھوٹ بولنے میں وہ
کوئی قباحت نہ سمجھیں گے۔

(۲۰۸) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ
وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ (رواه احمد والترمذی وابو داؤد والدارمی)

(ترجمہ) بہز بن حکیم بواسطہ اپنے والد معاویہ کے اپنے دادا حیدہ سے روایت کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے اپنے بیان
میں جھوٹ بولے اُس پر افسوس! اُس پر افسوس۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، ودارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ صرف لطف صحبت اور ہنسنے ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی بُری
بات اور بُری عادت ہے، اگرچہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا، لیکن اولاً تو خود بولنے والے
کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہے، دوسرے جھوٹی باتوں سے اہل ایمان کے دل میں جو نفرت
ہونی چاہیئے اس میں بھی کمی آتی ہے، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگوں میں جھوٹی باتیں کرنے کی
جرأت اس سے پیدا ہوتی اور جھوٹ کے رواج کو مدد ملتی ہے۔

(۲۰۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ —— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اُسے
بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر سُنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے پھرنا بھی ایک درجہ کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابل اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی لائق اعتماد نہیں رہتا ـــــ بہرحال مومن کو چاہیے کہ وہ خفی قسم کے ان سب جھوٹوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

خیانت کی بعض خفی قسمیں :-

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بارے میں بھی امت کو واضح طور پر آگاہی دی ہے، اس سلسلہ میں ذیل کی حدیثیں پڑھیے:-

(۲۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِی الْهَیْثَمِ بْنِ التَّیِّهَانِ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ابو الہیثم بن التیہان سے فرمایا: جس سے کسی معاملہ میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اس کے سپرد امانت کی جاتی ہے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) ابو الہیثم بن التیہان نے ایک معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ چاہا، اس موقع پر آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اُسے چاہیے کہ وہ محسوس کرے کہ مشورہ چاہنے والے نے اس کو اعتماد اور بھروسہ کے قابل سمجھ کر اُس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اس کے سپرد کی ہے، لہذا

اُسے چاہئے کہ حقِ امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، یعنی اچھی طرح سوچ سمجھ کر مشورہ دے اور پھر اس کی بات کو راز میں رکھے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجہ کی خیانت کا مجرم ہوگا۔

(۲۱۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ ــــ

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:- جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر اِدھر اُدھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ زبانی تم سے نہ کہے کہ اس کو راز رکھنا، لیکن اس کے کسی طرزِ انداز سے تمھیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے، تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے، اور امانت کی طرح تم کو اس کی حفاظت کرنی چاہئے، اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچا دیا، تو تمھاری طرف سے امانت میں خیانت ہوگی، اور تمھیں خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہوگا۔

لیکن ذیل والی دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ:- اگر کسی بندہ کے ناحق قتل یا آبروریزی یا اس کو مالی نقصان پہنچانے کی کوئی سازش تمھارے علم میں آئے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو بلکہ متعلقہ آدمیوں کو اس سے مطلع کر دو۔ وہ حدیث بھی یہیں پڑھ لیجئے:-

(۲۱۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ إِلَّا ثَلٰثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ أَوْ فَرْجٍ حَرَامٍ أَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ ــــــــ

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں (یعنی کسی مجلس میں رازداری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو، اہل مجلس امانت سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں) لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں:- ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خونِ ناحق کی سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کسی کی عصمت و عفت لوٹنے کے مشورہ سے ہو، اور تیسرے وہ جس کا تعلق بغیر کسی حق کے کسی کا مال چھیننے سے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان تین باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہئے، ورنہ منشا یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی معصیت اور ظلم کے لئے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے، اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو، بلکہ اس صورت میں تمہاری دیانت داری اور امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و معصیت کے اس منصوبہ کو ناکام بنانے کے لئے جن کو اس سے باخبر کرنا تم ضروری سمجھو، ان کو ضرور باخبر کردو، اگر ایسا نہ کروگے تو اللہ کے حق میں بھی خیانت ہوگی اور بندوں کے حق میں بھی۔

اختلاف اور فتنہ کو ختم کرنے کیلئے اپنی طرف سے کچھ کہہ دینا جھوٹ نہیں :-

(۲۱۲) عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُولُ خَيْرًا وَيَنْمِي خَيْرًا ــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) ام کلثوم (بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے، اور اس سلسلہ میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے، اور

(اچھا اثر ڈالنے والی) اچھی باتیں کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے، اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے، اور پھر اسکے نتیجہ میں بڑے بڑے شر اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، بعض کبھی تو خود ریزی اور قتل و غارت اور آبروریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اور عداوت کے جوش میں ہر طرف سے ظلم اور تعدی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے، ان حالات میں اگر کوئی مخلص اور بے غرض بندہ ان دونوں برسرِ جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے، اور اس کے لئے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیر اندیشی کی باتیں پہنچائے جن سے جنگ و عداوت کی آگ بجھے اور خوشگمانی اور مصالحت کی فضا پیدا ہو، تو اس مقصد کے لئے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جویانہ باتیں بھی پہنچائے، جو واقعہ میں اُس فریق نے نہ کہی ہوں، تو اس مخلص بندہ کا ایسا کرنا اُس جھوٹ میں شمار نہ ہوگا، جو معصیت اور گناہ کبیرہ ہے — بس یہی اِس حدیث کا منشا ہے۔ اور یہی مطلب ہے حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اِس مقولہ کا، کہ:۔ "دروغِ مصلحت آمیز بہ از راستیِ فتنہ انگیز"

ایفاءِ وعدہ اور وعدہ خلافی:۔

وعدہ کر کے پورا کرنا درحقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے، اور وعدہ خلافی ایک طرح کا عملی جھوٹ ہے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند ہی صفحے پہلے وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اچھے اخلاق کا ذکر کر کے فرمایا کہ:۔ جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے میں اُس کے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور ان میں آپ نے ایفاءِ وعدہ کو بھی گنایا۔

اور "کتاب الایمان" میں "شعب الایمان" کے حوالے سے حضرت انسؓ کی وہ حدیث گذر چکی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے، کہ :- جو شخص اپنے کئے عہد کا پابند نہیں، اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں ـــ اب چند حدیثیں اس سلسلہ کی یہاں اور بھی درج کی جاتی ہیں :-

(۲۱۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ـــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- منافق کی تین نشانیاں ہیں :- جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے، تو اس کو پورا نہ کرے، اور جب اس کو کسی چیز کا امین بنا دیا جائے، تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے "کتاب الایمان" میں بھی گذر چکی ہے، اور وہاں پوری تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ ان باتوں کے منافق کی نشانی ہونے کا کیا مطلب ہے ـــ ـــ وہاں کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹ، خیانت، اور وعدہ خلافی دراصل یہ منافقوں کے اخلاق ہیں، اور جس شخص میں یہ بری عادتیں موجود ہوں، وہ خواہ عقیدہ کا منافق نہ ہو، لیکن عمل اور سیرت میں منافق ہی ہے۔

اسی حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: "وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ" یعنی وہ آدمی اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے کو مسلمان بھی کہتا اور سمجھتا ہو، پھر بھی ان بداخلاقیوں کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہی ہے۔

بہر حال اس حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی نشانی اور ایک منافقانہ خصلت بتلایا گیا ہے۔

(۲۱۴) عَنْ عَلِیٍّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعِدَۃُ دَیْنٌ ۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

(ترجمہ) حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہٰذا اس کو ادا کرنا چاہئے)۔ (معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا یا اسی طرح کا کوئی اور وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے پر قرض سمجھے، اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے ۔۔۔۔ لیکن اگر بالفرض کسی بُرے کام میں ساتھ دینے کا، یا کسی اور ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً صحیح نہیں ہے، یا اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے، تو اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، بلکہ اسکے خلاف ہی کرنا ضروری ہوگا، اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہ ہوگا، بلکہ اتباعِ شریعت کا ثواب ہوگا۔

(۲۱۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِی الْحَمْسَاءِ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ یُّبْعَثَ وَبَقِیَتْ لَہٗ بَقِیَّۃٌ فَوَعَدْتُّہٗ اَنْ اٰتِیَہٗ بِھَا فِیْ مَکَانِہٖ فَنَسِیْتُ فَذَکَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا ھُوَ فِیْ مَکَانِہٖ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَیَّ اَنَا ھٰھُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُکَ ۔۔۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے (یعنی آپ کے نبی ہونے سے پہلے) آپ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا (پھر جو کچھ مجھے دینا تھا اس کا کچھ حصّہ تو میں نے وہیں دے دیا) اور کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا، تو میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لے کر آتا ہوں پھر میں بھول گیا، اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا (میں اسی وقت لے کر پہونچا) تو

دیکھا، کہ آپ اسی جگہ موجود ہیں، آپ نے فرمایا کہ :۔ تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا، اور بڑی زحمت دی ہیں تمھارے انتظار میں تین دن سے یہیں ہوں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) گویا نبی ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدہ کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ تین دن تک ایک جگہ رہ کر ایک شخص کا انتظار فرماتے رہے ـــــ واضح رہے کہ وعدہ کی اس حد تک پابندی کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے (جیسا کہ اسکے بعد والی حدیث سے معلوم بھی ہوجائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں جو "خلق عظیم" ودیعت فرمایا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا۔

(۲۱۶) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلًا فَلَمْ يَاْتِ اَحَدُهُمَا اِلٰى وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَ ذَهَبَ الَّذِىْ جَاءَ لِيُصَلِّىَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ـــــ

(رواه رزین)

(ترجمہ) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ جس شخص نے کسی دوسرے شخص سے (کسی جگہ آکر ملنے کا) وعدہ کیا، پھر نماز کے وقت تک اُن میں سے ایک نہیں آیا (اور دوسرا وقت معین پہ مقررہ جگہ پر پہونچ گیا، اور نہ آنے والے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ نماز کا وقت آگیا) اور یہ پہنچ جانے والا نماز پڑھنے کے لئے مقررہ جگہ سے چلا گیا، تو اس کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔

(رزین)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ کے مطابق یہ شخص مقررہ جگہ پر پہنچ گیا، اور کچھ دیر تک دوسرے آدمی کا انتظار بھی کرتا رہا، تو اُسنے اپنا حق اُدا کردیا، اب اگر نماز کا وقت آجانے پر یہ شخص نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے، یا اپنی کسی دوسری ضرورت سے چلا جائے، تو

اس پر وعدہ خلافی کا الزام نہیں آئے گا، اور یہ گناہگار نہیں ہوگا۔

(۲۱۷) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهِ أَنْ يَفِيَ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيعَادِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ——— رواہ ابوداؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ جب کسی آدمی نے اپنے کسی بھائی سے آنے کا وعدہ کیا، اور اس کی نیت یہی تھی کہ وہ وعدہ پورا کرے گا لیکن (کسی وجہ سے) وہ مقررہ وقت پر آیا نہیں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا، اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہی تھی، لیکن کسی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو عند اللہ گناہگار نہ ہوگا، لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی، اور اس کا یہ وعدہ ایک طرح کا فریب تھا، تو اس کے گناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

تواضع وخاکساری اور غرور وتکبر:۔

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری اُن خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے، اور بڑی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے اور بندہ کا حسن وکمال یہی ہے کہ اُسکے عمل سے بندگی اور نیازمندی ظاہر ہو، اور تواضع اور خاکساری بندگی اور عبدیت ہی کا مظہر ہے، جیسے کہ اُسکے بالکل برعکس تکبر کبریائی کا مظہر ہے، اور اسی لئے وہ شانِ بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کے لئے زیبا ہے۔

(۲۱۸) عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا یَبْغِیْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا یَفْخَرْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ ——— رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو، جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے، اور کوئی کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۱۹) عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ یَا اَیُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ نَفْسِهٖ صَغِیْرٌ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرٌ وَفِیْ نَفْسِهٖ کَبِیْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِمْ مِنْ کَلْبٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں برسر منبر فرمایا:۔ لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے: جس نے اللہ کیلئے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگان خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا، لیکن عام بندگان خدا کی نگاہوں میں اونچا ہوگا ——— اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں

میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا۔ اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(۲۲۰) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ ۔ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤ میں اکثر) دب جانے والا، بلکہ عاجزوں کمزوروں کا سا اُس کا رویہ ہو، اور اسلئے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں (اور اللہ کے ساتھ اُس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھالے، تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے ۔۔۔۔ اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور متکبر شخص۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اہل جنت کی صفت "ضعیف، متضعف" بتلائی گئی ہے اس سے مراد وہ ضعف و کمزوری نہیں ہے جو قوت و طاقت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے، کیونکہ وہ ضعف و کمزوری کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ ۔۔۔۔ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَى اللهِ تَعَالٰى مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ (صحیح مسلم) (طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے) ۔۔۔۔ بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہاں ضعیف و متضعف سے مراد وہ شریف الطبع متواضع اور نرم خو شخص ہے جو معاملہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح دوسروں سے

دب جائے، اور اسلئے لوگ اسے کمزور سمجھیں اور دبا لیا کریں ـــــ اسی لئے اس حدیث میں ضعیف و متضعف کے مقابلہ میں عتل، جواظ مستکبر کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، بہرحال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع و نرمی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے، اور غرور و استکبار اور اکڑپن دوزخیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کی صفت میں "ضعیف متضعف" کے ساتھ ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ بندہ اللہ پر قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے۔ بظاہر اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کے لئے اپنی خودی کو مٹا کر اسکے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اتنا مقرب ہو جائے گا کہ اگر وہ قسم کھائے کہ فلاں بات یوں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا، اور اس کی بات کو پورا کر دکھائے گا۔ یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ میں اللہ کو قسم دے کر اس سے کوئی خاص دعا کرے گا، تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔

(۲۲۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ ـــــــ ـــــــ رواہ مسلم والبخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم و بخاری)

(تشریح) کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اس ذاتِ پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت و حیات اور عزت و ذلت ہے، جس کے لئے کبھی فنا نہیں، اور اسکے علاوہ سب کے لئے فنا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔

وَلَہُ الْکِبْرِیَاۗءُ فِی السَّمٰوٰتِ اور اسی کے لئے کبریائی اور بڑائی ہے

وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا۔
(جاثیہ ع۔۴)

پس اب جو بدبخت و غلط انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور و تکبر اس کا رویہ ہو، وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے، اس لئے وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے، اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ اپنی اس فرعونی صفت کی وجہ سے وہ جنت میں نہ جاسکے گا۔

یہ اصولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جاچکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بدعملی یا بداخلاقی کا انجام یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جاسکے گا، ان کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ بدعملی یا بداخلاقی اپنی اصل تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کردینے والی اور دوزخ میں پہونچانے والی ہے۔

یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب سچے ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے جنت میں نہ جاسکیں گے، بلکہ ان کو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا، اس لئے اس حدیث کا مطلب بھی اسی اصول کی روشنی میں یہی سمجھنا چاہئے کہ غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے دور کرکے دوزخ میں ڈلوانے والی خصلت ہے، یا یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ جاسکے گا، بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتنی پڑے گی، اور جب وہاں آگ میں تپاکے اس کے تکبر کے مادہ کو جلا دیا جائے گا، اور غرور کی گندگی سے اس کو پاک و صاف کردیا جائے گا، تو اگر وہ صاحب ایمان ہے تو اس کے بعد جنت میں جاسکے گا۔

(۲۲۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ــــــ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ ــــــ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَّعَائِلٌ مُّسْتَكْبِرٌ ــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا، اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا ــــــ اور ایک روایت میں یہ بھی ہو کہ اُن کی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا ــــــ اور اُن کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا فرمانروا، اور تیسرا نادار و غریب متکبر۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) بعض معصیتیں بذات خود بھی سنگین اور گناہِ کبیرہ ہوتی ہیں، لیکن بعض خاص حالات میں اور خاص اشخاص سے اگر اُن کا صدور ہو، تو اُن کی سنگینی اور زیادہ بڑھ جاتی ہو، مثلاً چوری بذات خود بڑی معصیت ہے، لیکن اگر چوری کرنے والا کوئی دولت مند ہو، جس کو چوری کی کوئی ضرورت نہ ہو، یا سرکاری سپاہی اور چوکیدار ہو، تو پھر اس کا چوری کرنا اور بھی زیادہ سنگین جرم ہوگا، اور اُس کو قابلِ معافی نہیں سمجھا جائے گا ــــــ اِس حدیث میں اِسی قسم کے تین مجرموں کے حق میں اعلان فرمایا گیا ہے کہ ان بدبختوں بدنصیبوں سے قیامت کے دن اللہ تعا ہم کلام نہ ہوگا، اور اُن کا تزکیہ بھی نہ فرمائے گا، اور آخرت میں یہ مجرم ربِّ کریم کی نظرِ کرم سے بھی قطعی محروم رہیں گے ــــــ ایک بوڑھا زناکار، دوسرا جھوٹا فرمانروا، تیسرا ناداری کی حالت میں تکبّر کرنے والا ــــــ اور یہ اِسلئے کہ جوانی کی حالت میں اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوا، تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابلِ درگذر بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ جوانی کی حالت میں شہوت سے مغلوب ہونا ایک فطری کمزوری ہے ــــــ لیکن اگر کوئی بوڑھا بڑھاپے میں یہ حرکت کرے، تو یہ اس کی طبیعت کی سخت خباثت کی نشانی ہے، اِسی طرح اگر کوئی بیچارہ عام آدمی اپنی ضرورت نکالنے کے لئے جھوٹ بول جائے، تو اس کا گناہ بھی کبیرہ ہونے کے باوجود قابلِ معافی ہوسکتا ہے، لیکن ایک صاحب اقتدار حکمران اگر جھوٹ بولتا ہے تو یہ اُس کی طبیعت

کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے خوفی کی نشانی ہے ـــــــ ایسے ہی کوئی دولت مند اگر تکبر کرے، تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مستبعد نہیں ۔ ؎

"چو بدولت برسی مست نہ گردی مردی"

لیکن گھر میں فقر و فاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور و تکبر کی چال چلتا ہے تو بلا شبہ یہ اسکی انتہائی رذالت اور کمینہ پن ہے ـــ ـــ الغرض تینوں قسم کے یہ مجرم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے اور اس کی نظر کرم سے اور تزکیہ سے محروم رہیں گے، تزکیہ نہ کئے جانے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف نہیں کئے جائیں گے، اور صرف عقیدہ یا بعض اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر ان کو مومنین صالحین کیساتھ شامل نہ کیا جائے گا، بلکہ ان کو سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ واللہ اعلم

شرم و حیا:-

شرم و حیا ایک ایسا اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے، یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے بُرے کاموں اور بُری باتوں سے روکتا، اور فواحش و منکرات سے اس کو بچاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کاموں کیلئے آمادہ کرتا ہے، الغرض شرم و حیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش و منکرات سے اس کی محافظ ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم و تربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے، اور اس وصف کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ترقی دینے کی کوشش کیجئے:-

(۲۲۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ ـــــ

رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ

عن انس و ابن عباس

(ترجمہ) زید بن طلحہ سے روایت ہے، وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور دین اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔

(مؤطا امام مالک - سنن ابن ماجہ و شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر دین اور ہر شریعت میں اخلاق انسانی کے کسی خاص پہلو پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا ہے، اور انسانی زندگی میں اُسی کو نمایاں اور غالب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعلیم اور شریعت میں رحمدلی اور عفو و درگذر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے (یہاں تک کہ مسیحی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ رحمدلی اور عفو و درگذر رہی گویا ان کی شریعت کا مرکزی نقطہ اور ان کی تعلیم کی روح ہو) اسی طرح اسلام، یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیم میں حیا پر خاص زور دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا مفہوم بہت وسیع ہے، ہمارے عرف اور محاورہ میں تو حیا کا تقاضا اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی فواحش سے یعنی شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے پرہیز کرے، لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو، پھر قرآن و حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیا کا تعلق صرف اپنے ابناء جنس ہی سے نہیں ہے، بلکہ حیا کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصّہ پا رہا ہے، اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال چھپا نہیں ہے، اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شرم و حیا کرنے والے انسانوں کو سب سے زیادہ شرم و حیا اپنے ماں باپ

کی۔ اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا، اور سب محسنوں کا محسن ہے، لہٰذا بندہ کو سب سے زیادہ شرم و حیا اُسی کی ہونی چاہیئے، اور اس حیا کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو کام اور جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اُسکے حکم کے خلاف ہو، آدمی کی طبیعت اُس سے خود انقباض اور اذیت محسوس کرے، اور اس سے باز رہے، اور جب بندہ کا یہ حال ہو جائے۔ تو اس کی زندگی جیسی پاک اور اس کی سیرت جیسی پسندیدہ اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگی ظاہر ہے۔

(اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں زید بن طلحہ تابعی سے مرسلاً روایت کیا ہو (یعنی ان صحابی کا ذکر نہیں کیا، جن سے یہ حدیث زید بن طلحہ کو پہنچی تھی) لیکن ابن ماجہ اور بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے)۔

(۲۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَھُوَ یَعِظُ اَخَاہُ فِی الْحَیَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْہُ فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر، انصار میں سے ایک شخص پر ہوا، اور وہ اُس وقت اپنے بھائی کو حیا کے بارہ میں کچھ نصیحت و ملامت کر رہا تھا، تو آپ نے اُس سے فرمایا، کہ:۔ اس کو اسکے حال پر چھوڑ دو، کیونکہ حیا تو ایمان کا جز یا ایمان کا پھل ہے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی صاحب تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرم و حیا کا وصف خاص طور سے عطا فرمایا تھا، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے معاملات

میں نرم ہوں گے، سخت گیری کے ساتھ لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرتے ہوں گے، اور بہت سے موقعوں پر اسی شرم وحیا کی وجہ سے کھُل کر باتیں بھی نہ کر پاتے ہوں گے، جیسا کہ اہلِ حیا کا عموماً حال ہوتا ہے، اور اُن کے کوئی بھائی تھے، جو اُن کی اس حالت اور روش کو پسند نہیں کرتے تھے، ایک دن یہ بھائی اُن صاحب حیا بھائی کو اس پر ملامت اور سرزنش کر رہے تھے کہ تم اِس قدر شرم وحیا کیوں کرتے ہو، اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں بھائیوں پر گذر ہوا، اور آپ نے اُن کی باتیں سُن کر ملامت و نصیحت کرنے والے بھائی سے ارشاد فرمایا، کہ اپنے ان بھائی کو ان کے حال پر چھوڑ دو، ان کا یہ حال تو بڑا مبارک حال ہے، شرم وحیا تو ایمان کی ایک شاخ یا ایمان کا پھل ہے، اگر اس کی وجہ سے بالفرض دنیا کے مفادات کچھ فوت بھی ہوتے ہوں، تو آخرت کے درجے بے انتہا بڑھتے ہیں۔

(۲۲۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ ——— رواه احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے، اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے، اور بدی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح) اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں بھی جو "الحیاء من الایمان" فرمایا گیا ہے، بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ شرم وحیا شجرِ ایمان کی خاص شاخ یا اس کا ثمرہ ہے، صحیحین کی ایک دوسری حدیث میں (جو کتاب الایمان میں گذر چکی ہے) فرمایا گیا ہے "وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ" (اور حیا ایمان ہی کی ایک شاخ ہے) بہرحال حیا اور ایمان میں ایک خاص نسبت اور خاص رشتہ ہے، اور یہ سب اُسی کی تعبیریں ہیں ——— اور اُسی کی ایک تعبیر

وہ بھی ہے جو اس سے بعد والی حدیث میں آ رہی ہے۔

(۲۲۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ ــــــــ رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ حیا اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں۔ جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان اور حیا میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا، الغرض کسی شخص یا جماعت میں حیا اور ایمان یا تو دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک بھی نہ ہوگا۔

(۲۲۷) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ ــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ حیا صرف خیر ہی کو لاتی ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض اوقات سرسری نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرم و حیا کی وجہ سے آدمی کو کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی شبہ کا ازالہ فرمایا ہے، اور آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرم و حیا کے نتیجہ میں کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے حتیٰ کہ جن مواقع پر ایک عام آدمی کو عامیانہ نقطۂ نظر

سے نقصان کا شبہ ہوتا ہے وہاں بھی اگر ایمانی اور اسلامی وسیع نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بجائے نقصان کے نفع ہی نفع نظر آئے گا۔

یہاں بعض لوگوں کو ایک اور بھی شبہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ شرم و حیا کی زیادتی بعض اوقات دینی فرائض ادا کرنے سے بھی رکاوٹ بن جاتی ہے، مثلاً جس آدمی میں شرم و حیا کا مادہ زیادہ ہو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ادا کرنے، اور اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے اور مجرموں کو سزا دینے جیسے اعلیٰ دینی کاموں میں بھی ڈھیلا اور کمزور ہوتا ہے ——— لیکن یہ شبہ دراصل ایک مغالطہ پر مبنی ہے، انسان کی طبیعت کی جو کیفیت اس قسم کے کاموں کے انجام دینے میں رکاوٹ بنتی ہے وہ دراصل حیا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس آدمی کی ایک فطری اور طبعی کمزوری ہوتی ہے، لوگ ناواقفی سے اس میں اور حیا میں فرق نہیں کر پاتے۔

(۲۲۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اگلی نبوت کی باتوں میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے اس میں سے ایک یہ مقولہ بھی ہے کہ:- "جب تم میں شرم و حیا نہ ہو، تو پھر جو چاہو کرو"۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) انبیائے سابقین کی پوری تعلیمات اگرچہ محفوظ نہیں رہیں لیکن ان کی کچھ سچی پکی باتیں ضرب المثل کی طرح ایسی مقبول عام اور مشہور عام ہو گئیں کہ سیکڑوں ہزاروں برس گذرنے پر بھی وہ محفوظ اور زبان زد خلائق رہیں، انھیں میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے جو حضورؐ کے زمانہ تک بطور ضرب المثل لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی تھی "اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" جس کو فارسی میں کہا جاتا ہے "بیحیا باش و ہرچہ خواہی کن" ——— رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تصدیق فرمائی کہ یہ حکیمانہ اور ناصحانہ مقولہ اگلی نبوت کی تعلیمات میں سے ہے۔

(۲۲۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قُلْنَا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا وَاٰثَرَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الْاُوْلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ ــــــــــــ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اُس سے حیا کرنی چاہیے۔ مخاطبین نے عرض کیا:۔ الحمدللہ ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔ یہ نہیں (یعنی حیا کا مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں اُن سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اُس میں بھرا ہے اُس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور موت کے بعد قبر میں جو حالت ہونی ہے اس کو یاد کرو، اور جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے، وہ دنیا کی آرائش و عشرت سے دستبردار ہو جائے گا، اور اس چند روزہ زندگی کے عیش کے مقابلہ میں آگے آنے والی زندگی کی کامیابی کو اپنے لئے پسند اور اختیار کرے گا،

پس جس نے یہ سب کیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس سلسلہ کی پہلی حدیث کی تشریح میں حیا کے معنی کی وسعت کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا، ترمذی کی اس حدیث سے اس کی توثیق ہی نہیں، بلکہ مزید توضیح و تشریح بھی ہو جاتی ہے، نیز حدیث کے آخری حصہ سے ایک اصولی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق وہی بندے ادا کرسکتے ہیں جن کی نظر میں اس دنیا اور اسکے عیش و عشرت کی کوئی قیمت نہ ہو، اور دنیا کو ٹھکرا کے آخرت کو انھوں نے اپنا مطمحِ نظر بنالیا ہو، اور موت، اور موت کے بعد کی منزلیں ان کو ہمہ وقت یاد رہتی ہوں۔ اور جس کا یہ حال نہ ہو وہ خواہ کیسی ہی باتیں بناتا ہو، اس حدیث کا فیصلہ ہے کہ اُس نے اللہ سے حیا کا حق ادا نہیں کیا۔

قناعت و استغناء اور حرص و طمع :-

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بھی بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و لالچ نہ کرے ۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے، بلاشبہ اُس کو بڑی دولت عطا ہوئی، اور بڑی نعمت سے نوازا گیا ـــــ اسکے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ذیل میں پڑھیے:

(۲۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ کَفَافًا وَقَنَّعَہُ اللّٰہُ بِمَا اٰتَاہُ ـــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :- کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی، اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو اس قدر کفاف روزی پر قانع بھی بنا دیا (صحیح مسلم)

(تشریح) بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہو، اور ساتھ ہی اس دنیا میں گذارے کا کچھ ضروری سامان بھی، اور پھر اللہ تعالیٰ اُسکے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرما دے، تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے اور اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے ——— یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُر مسرت بن جاتی ہے۔ ع

ایں کیمیائے ہستی قاروں کند گدا را

آدمی کے پاس اگر دولت کے ڈھیر ہوں، لیکن اس میں اور زیادہ کے لئے طمع اور حرص ہو، اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے، اور "ھل من مزید" ہی کے پھیر میں پڑا رہے تو اُسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا، اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا برخلاف اسکے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو، مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر و افلاس کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی ——— اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

(۲۳۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعُرُوضِ وَلٰكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔

(رواه البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- دولت مندی مال و اسباب سے حاصل

نہیں ہوتی۔ بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (صحیح بخاری)
اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہی حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر اس طرح سمجھائی:۔

(۲۳۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ تَقُوْلُ كَثْرَةُ الْمَالِ الْغِنٰی قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ تَقُوْلُ قِلَّةُ الْمَالِ الْفَقْرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثًا، ثُمَّ قَالَ اَلْغِنٰی فِی الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فِی الْقَلْبِ ـــــــــــ

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا:۔ ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں حضور! (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ نے فرمایا:۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں حضور! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی ـــــ اسکے بعد ارشاد فرمایا:۔ اصلی دولتمندی دل کے اندر ہوتی ہے اور اصلی محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔

(معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) حقیقت یہی ہے کہ تونگری اور محتاجی، خوشحالی اور بدحالی کا تعلق روپیہ پیسہ سے زیادہ آدمی کے دل سے ہے، اگر دل غنی اور بے نیاز ہے، تو آدمی خوش بخت اور خوشحال ہے اور اگر دل حرص وطمع کا گرفتار ہے، تو دولت کے ڈھیروں کے باوجود وہ خوشحالی سے محروم اور محتاج وپریشاں حال ہے۔ سعدی علیہ الرحمہ کا مشہور قول ہے:۔

"تونگری بدل ست نہ بہ مال"

(۲۳۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ حَتَّى إِذَا نَفِدَ مَا عِنْدَهُ قَالَ مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ ——— رواه ابو داؤد

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ کچھ طلب کیا، آپ نے ان کو عطا فرما دیا (لیکن ان کی مانگ ختم نہیں ہوئی) اور انھوں نے پھر طلب کیا، آپ نے پھر ان کو عطا فرما دیا، یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا، اور کچھ نہ رہا، تو آپ نے ان انصاریوں سے فرمایا. سنو! جو مال و دولت بھی میرے پاس ہوگا اور کہیں سے آئے گا میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا (بلکہ تم کو دیتا رہوں گا) لیکن یہ بات خوب سمجھ لو، کہ اس طرح مانگ کر حاصل کرنے سے آسودگی اور خوش عیشی حاصل نہیں ہوگی، (بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی خود عفیف بننا چاہتا ہے یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے کو بچانا چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور سوال کی ذلت سے اس کو بچا دیتا ہے، اور جو کوئی بندوں کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے یعنی اپنے کو بندوں کا محتاج اور نیاز مند بنانا نہیں چاہتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے نیاز کر دیتا ہے، اور جو کوئی کسی کٹھن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے صبر کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے (اور صبر کی حقیقت اس کو نصیب

ہو جاتی ہو) اور کسی بندہ کو بھی صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث کا خاص سبق یہی ہے کہ بندہ اگر چاہتا ہے کہ وہ دوسرے بندوں کا محتاج نہ ہو، اور ان کے سامنے اس کو دستِ سوال دراز کرنا نہ پڑے اور مصائب و مشکلات اس کو اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکیں، تو اُسے چاہئے کہ اپنی استطاعت کی حد تک وہ خود ایسا بننے کی کوشش کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری مدد فرمائے گا اور یہ سب چیزیں اس کو نصیب ہو جائیں گی۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہو کہ "کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی"۔ واقعہ یہی ہو کہ "صبر" دل کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نہایت وسیع اور نہایت عظیم نعمت ہو، اسی لئے قرآن مجید کی آیت "وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" میں "صبر" کو صلوٰۃ یعنی نماز پر بھی مقدم کیا گیا ہے۔

(۴۳) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا حَكِيْمُ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا ــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مال طلب کیا، آپ نے مجھے عطا فرما دیا، میں نے پھر مانگا،

آپ نے پھر عطا فرما دیا پھر آپ نے مجھے نصیحت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ :- اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص و طمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اُسکے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اُسکے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی اور اُس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے ــــ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے لہذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے)ــــ

حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ (حضورؐ کی یہ نصیحت سُن کر) میں نے عرض کیا :- یا رسول اللہؐ! قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپکے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اُس کو پھر ایسا نباہا کہ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) ان کو بھی بُلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے ــــ اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت و امارت میں بھی انھوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ کے دورِ امارت میں ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

(۲۳۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ اَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ

ففجروا ـــــــــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا، کہ:۔ حرص وطمع سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں، اسی نے ان کو بخل کرنے کو کہا تو انھوں نے بخل اختیار کیا اسی نے ان کو قطع رحمی یعنی حقوق قرابت کی پامالی کے لئے کہا تو انھوں نے قطع رحمی اختیار کی، اسنے ان کو بدکاری کے لئے کہا تو انھوں نے بدکاریاں کیں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یعنی حرص وطمع صرف ایک بری خصلت ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں دوسری بھی نہایت تباہ کن خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں جو بالآخر قوموں کو لے ڈوبتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس خطرناک اور تباہ کن جذبہ سے اپنے دلوں اور سینوں کی پوری پوری حفاظت کریں۔

(۲۳۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِیْ رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ ـــــــــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ:۔ انسان میں سب سے بری بات کڑھا دینے والی حرص اور گھبرا دینے والی بزدلی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ حقیقت ہے کہ حریص اور لالچی آدمی ہر وقت اس غم میں گھلتا اور کڑھتا رہتا ہے کہ یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں ہے، اسی طرح زیادہ بزدل آدمی خواہ مخواہ موہوم خطرات سے بھی ہر وقت گھبراتا رہتا ہے اور اس کو اطمینان کے سانس لینے نصیب نہیں ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے دل کی ان دونوں کیفیتوں کو بدترین کیفیت بتلایا، اور فی الحقیقت یہ بدترین اور ذلیل ترین خصلتیں ہیں۔

صبر و شکر:-

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے ——— اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہوں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اسلئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔

——— اس سلسلہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:-

(۲۳۷) عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اسکے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔

(مسلم)

(تشریح) اس دنیا میں طبیعت اور آرام تو سب ہی کے لئے ہے لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا صرف اُن اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کرلیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور کوئی ناخوشگواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں ——— اور چونکہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی، اس لئے ان بندگانِ خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

(۲۳۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ ——— رواه ابن ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! اگر تونے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اسکے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔ (ابن ماجہ)

(تشریح) جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتداء ہی میں ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گذرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اسلئے صبر در اصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کرکے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اسکے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدا تعالیٰ راضی نہ ہوگا ـــــ اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے، براہِ راست بندہ کو خطاب کرکے فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا ـــــ گویا اس صبر کی وجہ سے بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہونگے۔

(ف) جب کسی بندہ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کرکے صبر کرلے تو انشاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

(۲۳۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ فِي مَالِهِ أَوْ فِي نَفْسِهِ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا إِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ۔

رواہ الطبرانی فی الاوسط

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں

مبتلا ہو، اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے، اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے، تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے (معجم اوسط طبرانی)

(تشریح) صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو، اور ایسے صابروں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انکی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲۳۹) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرْسَلَتْ اِبْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ إِنَّ ابْنًا لِي قُبِضَ فَأْتِنَا فَأَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ فَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا کے بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے اور چل چلاؤ کا وقت ہے لہذا آپ اس وقت تشریف لے آئیں، آپ نے اسکے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے، اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہے الغرض ہر چیز ہر حال میں اسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے

لیتا ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کیلئے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس چاہیے کہ تم صبر کرو، اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر و ثواب کی طالب بنو۔ صاحبزادی صاحبہ نے پھر آپ کے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور ضرور ہی تشریف لے آئیں، پس آپ اٹھ کر چل دیئے، اور آپ کے اصحاب میں سے سعد بن عبادہ اور معاذ بن جبل اور ابی بن کعب اور زید بن ثابت اور بعض اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو لئے، پس وہ بچہ اٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا، اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، اس کے اس حال کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس پر سعد بن عبادہ نے عرض کیا:۔ حضرت یہ کیا؟۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اور اللہ کی رحمت ان ہی بندوں پر ہوگی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں، وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔

(بخاری و مسلم)

(**تشریح**) حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا متأثر ہونا، اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا مقتضیٰ صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ انگیز کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاکی نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے ــــــ باقی طبعی طور پر دل کا متأثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبۂ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت سے محروم ہے۔ سعد بن عبادہ نے حضور کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب کے ساتھ سوال اسلئے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی

کہ دل کا یہ تاثر اور آنکھوں سے آنسو گرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۴۰) عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّعْزِيَةَ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ إِلَى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَإِنِّيْ أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ أَمَّا بَعْدُ فَأَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْأَجْرَ وَأَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَإِيَّاكَ الشُّكْرَ فَإِنَّ أَنْفُسَنَا وَأَمْوَالَنَا وَأَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهِ فِيْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهُ مِنْكَ بِأَجْرٍ كَبِيْرٍ الصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى إِنِ احْتَسَبْتَهُ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ أَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ أَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ قَدْ۔ وَالسَّلَامُ ـــــــ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــــ اللہ کے رسول محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام ـــــــ میں پہلے اس اللہ کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ـــــــ (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا

موقع دیا، اور جب اُس کی مشیت ہوئی یعنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا اور وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے۔ اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا پس اے معاذ! صبر کرو، اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے اجر کو غارت کر دے، ورنہ تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی ہوئی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا، اور نہ اس سے دل کا رنج و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً ہو چکا ہے ——— والسلام۔

(معجم کبیر و معجم اوسط)

(**تشریح**) قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے ارشاد ہے: "أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ" (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی، اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے، اور وہ ہدایت یاب ہوں گے) ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ: "اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا، تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے"۔

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعزیت نامہ میں ہر اُس صاحب ایمان بندے کے لئے تعزیت و نصیحت اور تسلی تشفی کا پورا سامان ہے، جس کو کوئی صدمہ پہنچے، کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ایمان افروز تعزیت و نصیحت سے سکون حاصل کریں، اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنائیں۔

(۲۴۱) عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ سَمِعْتُ

أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ
يَا عِيْسٰى إِنِّيْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ أُمَّةً إِذَا أَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ
حَمِدُوا اللّٰهَ فَإِنْ أَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ احْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا
وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ
وَلَا عَقْلَ قَالَ أُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِيْ وَعِلْمِيْ ۔۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوالدرداءؓ کی بیوی ام الدرداءؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے میرے شوہر ابوالدرداءؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ بیان فرماتے تھے کہ :- اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک اُمت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی تو وہ جذبۂ شکر سے معمور ہوکر اللہ کی حمد و ثنا کریں گے اور جب اُن پر ناخوشگوار احوال آئیں گے تو وہ صبر سے اُن کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے حالانکہ اُن میں دکوئی خاص درجہ کی بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی ___

حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا کہ :- جب ان میں بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی تو اُن سے خوشحالیوں میں شکر، اور مصائب پر صبر کیونکر ہوگا؟ - اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اُن کو اپنے حلم اور اپنے علم میں سے کچھ حصّہ دوں گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت اور خوشحالی میں مست ہوکر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے، "إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا" - اب اگر کسی اُمت اور کسی گروہ کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر

شاکر ہو تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام صحابہ اور قرونِ مابعد کے صلحا، مومنین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُن کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا، اور اُن کے اِس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اُسنے اپنے علم و حلم کے کچھ ذرّے ان بندوں کو عطا فرما دیئے ہیں، اور یہ صبر و شکر اُسی کے ثمرات ہیں۔

جس طرح اِس اُمّت کے اور بہت سے امتیازات اور خصائص کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاءِ سابقین سے فرمایا، اسی طرح صبر و شکر میں اسکے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیرت سازی کا جو کام انھوں نے اور ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اُس کی تکمیل اُن کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے، اور اُسکے نتیجہ میں ایک ایسی اُمّت کی اُمّت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے علم و حلم سے وہ بہرہ یاب ہوگی

توکّل اور رضا بالقضا:۔

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، اُن میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے، سب براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اِسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لئے اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح کہ گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں اُن کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصّہ نہیں ہے، اِسی طرح اس عالمِ وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے، بلکہ کارفرما اور مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے

اِس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر

اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے لَو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اسی سے اُمید یا خوف ہونا، اور اسی سے دعا کرنا، بس اسی طرزِ عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکّل ہے ــــــ
توکّل کی اصل حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا، یہ توکل کیلئے لازم نہیں ہے ــــ حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام اور ہر دَور کے عارفین کاملین کا توکل یہی تھا، یہ سب حضرات اس کارخانۂ ہستی کے اسبابی سلسلے کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے، لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا، اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک راستہ اور ذریعہ ہی جانتے تھے، اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہے، وہ اگر چاہے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترکِ اسباب نہ توکل کی حقیقت میں داخل ہے نہ اس کے لئے شرط ہے، ہاں اگر غلبۂ حال سے اللہ کا کوئی صاحبِ یقین بندہ ترکِ اسباب کر دے تو قابلِ اعتراض بھی نہیں، بلکہ ان کے حق میں یہ کمال ہی ہوگا، اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لئے اور بجائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لئے یا دوسروں کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کیلئے کوئی بندۂ خدا ترکِ اسباب کا رویّہ اختیار کر لے، تو یہ بھی بالکل درست ہوگا، لیکن توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے جو اوپر عرض کی گئی، اور قرآن و حدیث میں اسی کی ترغیب و دعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاملین کی مدح و ثنا کی گئی ہے، اور بلاشبہ یہ توکل، ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہے، جس کو توکل نصیب نہیں، یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کامل نہیں ہے

پھر توکل سے بھی آگے رضا بالقضا کا مقام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر جو بھی

اچھے یا بُرے احوال آئیں وہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجنے والا میرا مالک ہی ہے، اسکے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی اور شاد رہے۔ اور راحت و عافیت کے دنوں کی طرح تکلیف و مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اسکے خدا آشنا دل کی صدا یہی ہو کہ ۔ ۔

"ہر چہ از دوست میرسد نیکوست"

ان تمہیدی سطروں کے بعد توکل اور رضا بالقضاء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں پڑھئے :۔

(۲۴۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۔ ـــــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ : میری اُمت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے، وہ، وہ بندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، اور شگونِ بد نہیں لیتے، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کیلئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہل عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابل اصلاح برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں ـــــــ ایک یہ کہ جب وہ خود یا اُن کے بچے کسی بیماری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے، تو اُس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے اور سمجھتے کہ یہ جنتر منتر دکھ اور بیماری کو بھگانے کی ایک آسان تدبیر ہے (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان، ہار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اور اگر شگون بُرا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا، اسلئے پھر اس کو

نہیں کرتے تھے، الغرض شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقعوں پر مذمت فرمائی، اور تعلیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لئے منتر نہ کرائے جائیں، اور شگونِ بد لینے اور اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا جائے، اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا اس پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لئے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ اصل کارفرما اور مؤثر اسباب نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے، لہٰذا کسی مقصد کے لئے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، سخت حماقت کی بات ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ بندگانِ خدا وہ ہوں گے جنھوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگونِ بد کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صراحت فرماتے، اس موقع پر اسباب میں سے صرف اِن ہی دو چیزوں (منتر اور شگونِ بد) کے ذکر کرنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کارفرما اور مؤثر سمجھنے کے سبب سے اُن اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ــــــ پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کے لئے اپنی حکمت سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے اُن کا ترک کر دینا توکل کا مقتضیٰ نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے[1]۔

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حدیث کو توکل ہی کے بیان میں نقل کرنے (بقیہ صفحہ ۳۱۱ پر)

البتہ توکل کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھے، اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو، اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرزِ عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے، یہ تعداد صرف اُن کی ہے جو اس فضیلت کے درجۂ اول میں مستحق ہوں گے، ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے ——— علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر ہی نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل منشا یہ ہے کہ آپ کے جن امتیوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چڑھ جائے۔

(۲۳۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا ———

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

(صفحہ ۳۱۰ کا بقیہ حاشیہ) کے بعد لکھتے ہیں ——— اقول انما وصفهم النبي صلى الله عليه وسلم بهذا الذي بقوله هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون الخ) اعلاماً بان اثر التوكل ترك الاسباب التي نهى الشرع عنها لا ترك الاسباب التي سنها الله تعالى لعباده۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۹۲ ج ۲

صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ :۔ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکّل اُور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکّل کرنے کا حق ہے، تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اُور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اُور بھروسہ کریں، جیسا کہ انھیں کرنا چاہئے، تو اللہ کا معاملہ اُن کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سہولت سے رزق دیتا ہے کہ انھیں آدمیوں کی سی محنت و مشقت کے بغیر معمولی نقل و حرکت سے روزی مل جاتی ہے، صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اُور شام کو پیٹ بھری اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں، اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سہولت سے رزق پہنچائے، اُور انھیں زیادہ کد و کاوش نہ اُٹھانی پڑے، جیسا کہ اب اُٹھانی پڑتی ہے۔

(۲۴۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ قَلْبَ ابْنِ اٰدَمَ بِکُلِّ وَادٍ شُعْبَۃٌ فَمَنْ اَتْبَعَ قَلْبَہُ الشُّعَبَ کُلَّھَا لَمْ یُبَالِ اللّٰہُ بِاَیِّ وَادٍ اَھْلَکَہٗ وَمَنْ تَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ کَفَاہُ الشُّعَبَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔ آدمی کے دل کیلئے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اُور خواہشوں میں لگادے گا، اُور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ کو پروا نہ ہوگی، کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو، اُور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے (اُور اپنی حاجتیں اسکے سپرد کر دے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کیلئے کفایت کرے گا (اُور اس کو دل کے اطمینان

سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت ہے)۔

(تشریح) حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے، ماحصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور اس پر توکل و اعتماد کرے، اور اسکے احکام کا پابند ہو کر زندگی گذارے، اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو بھی اسکے احکام کے تحت کر دے، پھر اللہ اس کے لئے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

(۲۳۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِاجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ ـــــــــ

(رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اسکے احکام کی تعمیل اور اسکے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا، اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو یاد رکھ، جیسا کہ یاد رکھنا چاہئے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ، اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج ہو اور

طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد و اعانت طلب کر، اور اس بات کو دل میں بٹھا لے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور جڑ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچائے تو صرف اُسی چیز سے تجھ کو نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر دی ہے اسکے سوا کسی چیز سے نہیں، اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اُسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی تیرے لئے مقدر کر دیا ہے، اسکے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکے گا، اُٹھ چکے قلم اور خشک بھی ہو چلے صحیفے

(مسند احمد و جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا مطلب و منشاء اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور دکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اسکے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان، یا دکھ یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اُسکے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، اور قلمِ تقدیر جس کو اُسے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہے ـــــ ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لئے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے، لہذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لئے اُسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، اور اُس سے لینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اسکے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمھیں یاد رکھے گا اور تمھاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔

چونکہ کتاب الایمان میں تقدیر کے بیان میں پوری وضاحت اور تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے کہ "تقدیر" کا مطلب کیا ہے، اور تقدیر کو ماننے کے باوجود عمل اور تدبیر کی ضرورت کیوں ہے، اِسلئے اس شبہ اور وسوسہ کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناظرین میں سے اگر کسی کو

اس بارے میں خلجان ہو تو معارف الحدیث جلد اول میں تقدیر کا بیان پڑھ لیا جائے۔

(۲۴۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَإِنَّ الرُّوْحَ الْأَمِيْنَ (وَفِي رِوَايَةٍ وَإِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ) نَفَثَ فِي رُوْعِي أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَإِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ إِلَّا بِطَاعَتِهٖ۔

(رواہ البغوی فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے، مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح اوامر و نواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الرّوح الامین نے اور ایک روایت میں ہے کہ رُوح القدس نے (اور دونوں سے مراد جبرئیل امین ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنا رزق

پورا نہ کرلے (یعنی ہر شخص کو اسکے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آہی نہیں سکتی ہے) لہٰذا اے لوگو! خدا سے ڈرو اور تلاش رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمھیں اس پر آمادہ نہ کردے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اسکے حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور طاعت گذاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(شرح السنۃ، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتلانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو جبرئیل امینؑ نے اُس وقت آپ کے دل میں ڈالی تھی، لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے آپ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگو! حلال و حرام اور گناہ و ثواب کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار اور متوجہ کیا، اور اسکے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی جس کا حاصل یہی ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدر ہو چکا ہے، وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا، اور جب معاملہ یہ ہو تو آدمی کو چاہئے کہ اگر روزی میں کچھ تنگی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اسکے حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اور جس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اسکے حاصل کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ اللہ کا فضل و انعام اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری

ہی کے راستہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس کو ایک جزئی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ کا کوئی بندہ تنگ دستی میں مبتلا ہو اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، شیطان اسکے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سونے والے شخص کی کوئی چیز اٹھالے اور ابھی بازار کے ہاتھ بیچ کر روزی حاصل کرلے، ایسے وقت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کے رہے گی، پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض، اپنے ضمیر اور اپنی روح کو ناپاک، اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو، بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو، حلال کا میدان ہرگز تنگ نہیں ہے۔

(۲۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی اَهْلِهٖ فَلَمَّا رَاٰی مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ اِلَی الْبَرِّیَّةِ فَلَمَّا رَاَتِ امْرَاَتُهٗ قَامَتْ اِلَی الرَّحٰی فَوَضَعَتْهَا وَ اِلَی التَّنُّوْرِ فَسَجَرَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَاِذَا الْجَفْنَةُ قَدِ امْتَلَأَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ اِلَی التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ اَصَبْتُمْ بَعْدِیْ شَیْئًا قَالَتِ امْرَاَتُهٗ نَعَمْ مِنْ رَّبِّنَا وَقَامَ اِلَی الرَّحٰی فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ لَوْ لَمْ یَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ــــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں، کہ:۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچا جب اسنے ان کو فقر وفاقہ کی حالت میں دیکھا تو (الحاح کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے کے لئے) جنگل کی طرف چل دیا، جب اس کی نیک بی بی نے دیکھا کہ شوہر

اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے گئے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے اس نے
تیاری شروع کر دی) وہ اٹھ کر چکی کے پاس آئی اور اس کو تیار کیا (تاکہ اللہ تعالیٰ
کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے تو جلدی سے اس کو پیسا جا سکے) پھر وہ تنور کے
پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تاکہ آٹا پس جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر
نہ لگے) پھر اس نے خود بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے مالک! ہمیں رزق
دے! ۔ اب اسکے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے گرداگرد آٹے کے لئے جو جگہ بنی ہوتی ہے
(جس کو چکی کا گرانڈا اور کہیں کہیں چکی کی پھر بھی کہتے ہیں) وہ آٹے سے بھری ہوئی
ہے، پھر وہ تنور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہے (اور جتنی ڈبیاں
اس میں لگ سکتی ہیں لگی ہوئی ہیں) اسکے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے اور
بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟ ۔ بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمیں
اپنے پروردگار کی طرف سے ملا ہے (یعنی براہ راست خزانۂ غیب سے اس طرح ملا ہے)
یہ سن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اٹھا کر دیکھا، یعنی تعجب اور شوق میں غالباً
اس کا پاٹ اٹھا کر دیکھا) پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر
کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر یہ اس کو اٹھا کر نہ دیکھتے
تو چکی قیامت تک یوں ہی چلتی رہتی، اور اس سے ہمیشہ آٹا نکلتا رہتا۔

(مسند احمد)

(**تشریح**) اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارق کے قبیل سے ہے، اس
دنیا میں عام طور سے اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اللہ
کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالم اسباب کے عام دستور کے خلاف براہ راست
اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں ——— بیشک اللہ تعالیٰ جو زمین و
آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ——— پھر اس قسم کے واقعات

اگر اللہ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے، اور اگر ان کے کسی متبع اُمتی کے ہاتھ پر ایسے واقعہ کا ظہور ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔

ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کرکے اس سے روزی مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خارقِ عادت طریقہ سے ان کے لئے روزی کا سامان بھیجا، غیب سے چکی میں آٹا آگیا، اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے ناآشنا ہیں ان کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہوں، لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے اُن کے لئے تو ایسے واقعات میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں ——— اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے: "وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" (سورۂ طلاق)۔ اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کے لئے اور اسکے کام بنانے کے لئے کافی ہے۔

(۲۴۸) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ تَرْكُهٗ اِسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ سَخَطُهٗ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ ——— ——— رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:- آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جو فیصلہ ہو وہ اُس پر راضی رہے، اور آدمی کی بدبختی اور بدنصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بدنصیبی اور بدبختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ناخوش ہو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے بعض اوقات بندہ پر ایسے حالات آتے ہیں جو اس کی طبیعت اور چاہت کے خلاف ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر بندہ کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علیم کل اور حکیم مطلق اور رؤفٌ بالعباد یقین کرتے ہوئے اسکے فیصلہ پر راضی رہے ۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "عَسٰی اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔" (ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے بہتری ہو، اور اسی طرح ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور چاہو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اسمیں تمہارے لئے برائی اور خرابی ہو، علم حقیقی صرف اللہ کو ہے، اور تم بے خبر ہو)۔

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ بندہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دعا کرتا رہے کہ اسکے نزدیک بندہ کے لئے جو خیر ہو اسی کا اس کے لئے فیصلہ کیا جائے حضور نے فرمایا کہ بندہ کا اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر نہ مانگنا بندہ کی بڑی بدنصیبی اور بدبختی ہے ——— اسی طرح یہ بھی بدبختی اور بدنصیبی ہے کہ بندہ اللہ کی قضا و قدر اور اسکے فیصلوں سے ناخوش اور ناراض ہو۔

ظاہر ہے کہ "رضا بالقضا" کا یہ مقام بندہ کو جب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کمال و جمال پر پورا پورا ایمان و یقین حاصل ہو جو قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی ہیں، اور پھر اس معرفت اور اس ایمان و یقین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اسکے دل میں رچ بس گئی ہو ——— ایمان و محبت کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بندہ کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے۔ ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو ۔۔۔ دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اخلاص و للہیت اور نام و نمود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانی دنیا کو اخلاق حسنہ کی جو تعلیم و ہدایت ملی ہے، اس عاجز کے نزدیک اس کی تکمیل اخلاص و للہیت کی تعلیم سے ہوتی ہے یعنی اخلاص و للہیت کتابِ اخلاق کا آخری تکمیلی سبق اور روحانی و اخلاقی بلندی کا آخری زینہ ہے۔

اس اخلاص و للہیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اسلئے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق و پروردگار ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضی اور لعنت سے ہم محفوظ رہیں ______ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ تمام اچھے اعمال و اخلاق کی روح اور جان یہی اخلاص نیت ہے۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال و اخلاق اس سے خالی ہوں اور ان کا مقصد رضاء الٰہی نہ ہو، بلکہ نام و نمود یا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ کے نزدیک انکی کوئی قیمت نہیں اور ان پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں ۔۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب جو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کا اصل صلہ اور نتیجہ ہے اور جو انسانوں کا اصل مطلوب و مقصود ہونا چاہئے وہ صرف اعمال و اخلاق پر نہیں ملتا بلکہ جب ملتا ہے جبکہ ان اعمال و اخلاق سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اخروی ثواب کا ارادہ بھی کیا گیا ہو اور وہی ان کے لئے اصل محرک ہو۔ ____ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے، اپنے معاملات میں خود ہمارا بھی یہی اصول ہے ____ فرض کیجئے کوئی شخص آپ کی بڑی خدمت کرتا ہے۔ آپ کو ہر طرح آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پھر کسی ذریعہ سے آپ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اُسے آپ کے ساتھ کوئی خلوص نہیں ہے، بلکہ اُس کا یہ برتاؤ اپنی فلاں ذاتی

غرض کے لئے ہو، یا آپ کے کسی دوست یا عزیز و قریب سے وہ اپنا کوئی کام نکالنا چاہتا ہو اور صرف اس کے
دکھانے کیلئے آپ کے ساتھ اس کا یہ برتاؤ ہے، تو پھر آپ کے دل میں اس کی اور اسکے اس برتاؤ کی کوئی
قدر و قیمت نہیں رہتی ۔ بس یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا ہے، فرق اتنا ہے کہ ہم دوسروں کے
دلوں کا حال نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ سب کے دلوں اور نیتوں کا حال جانتا ہے پس اس کے
جن بندوں کا یہ حال ہے کہ وہ اسکی خوشنودی اور رحمت کی طلب میں اچھے اعمال کرتے ہیں وہ ان کے
ان اعمال کو قبول کرکے ان سے راضی ہوتا اور ان پر رحمتیں نازل کرتا ہے، اور آخرت جو دار الجزاء ہے
اس میں انکی اس رضا اور رحمت کا پورا ظہور ہوگا ۔۔ اور جو لوگ اچھے اعمال و اخلاق کا مظاہرہ
دنیا والوں کی داد و تحسین اور نیک نامی و شہرت طلبی کے لئے یا ایسی ہی دوسری اغراض و مقاصد کیلئے
کرتے ہیں ان کو یہ دوسرے مقاصد چاہے دنیا میں حاصل ہو جائیں لیکن وہ اللہ کی رضا اور رحمت
سے محروم رہیں گے، اور ان کی اس محرومی کا پورا ظہور بھی آخرت ہی میں ہوگا ۔

اس باب میں اصل بنیاد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ
بِالنِّيَّاتِ ۔ الحدیث" ہے جو جلد اوّل کے بالکل شروع ہی میں درج کی جا چکی ہے اور وہیں اسکی تشریح
بھی بسط و تفصیل سے کی جا چکی ہے، اسلئے یہاں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں، اب اسکے علاوہ
اس سلسلہ کی دوسری چند حدیثیں یہاں درج کی جا رہی ہیں، انہی حدیثوں پر یہ جلد دوم
ختم ہو رہی ہے ۔

(۲۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ
وَأَعْمَالِكُمْ ــــــ . . . . ــــ رواہ مسلم ۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، ولیکن
تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے ۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا معیار کسی کی شکل وصورت یا اس کی دولت مندی نہیں ہے بلکہ اس کی درستی اور نیک کرداری ہے، وہ کسی بندے کیلئے رضا اور رحمت کا فیصلہ اس کی شکل وصورت یا اس کی دولت مندی کی بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ اسکے دل یعنی اس کی نیت کے صحیح رخ اور اس کی نیک کرداری کی بنیاد پر کرتا ہے۔

بلکہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں بجائے مذکورۂ بالا الفاظ کے یہ الفاظ ہیں:۔

إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ	اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو
وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ	اور تمہارے صرف ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا
يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ[1] ـــــ	بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے ـــــ

یہ الفاظ اس حقیقت کے ادا کرنے کیلئے زیادہ واضح اور زیادہ صریح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دارومدار دل کے رخ کی صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے، پس اگر کسی شخص کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل اخلاص سے خالی ہو، اور اس کی نیت درست نہ ہو، تو وہ عمل ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اخلاص کی برکت اور تاثیر وطاقت:۔

(۲۵۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوا إِلَى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلَى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ انْظُرُوا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا فَقَالَ أَحَدُهُمْ اللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ وَلِي صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ أَرْعَى عَلَيْهِمْ فَإِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ أَسْقِيهِمَا قَبْلَ وَلَدِي وَإِنَّهُ قَدْ نَأَى

---

[1] جمع الفوائد جلد دوم ص ۱۶۰

فِي الشَّجَرِ فَمَا أَتَيْتُ حَتَّى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ
كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُسِهِمَا أَكْرَهُ
أَنْ أُوقِظَهُمَا وَأَكْرَهُ أَنْ أَبْدَأَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ
عِنْدَ قَدَمَيَّ فَلَمْ يَزَلْ ذَلِكَ دَأْبِي وَدَأْبَهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ فَإِنْ
كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً
نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ فَفَرَّجَ اللَّهُ لَهُمْ حَتَّى يَرَوْنَ السَّمَاءَ وَقَالَ الثَّانِي
اللَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِي بِنْتُ عَمٍّ أُحِبُّهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ
النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا فَأَبَتْ حَتَّى آتِيَهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ
فَسَعَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُ مِائَةَ دِينَارٍ فَلَقِيتُهَا بِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ
بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللَّهِ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ
فَقُمْتُ عَنْهَا اللَّهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ
وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فَفَرَّجَ لَهُمْ فُرْجَةً وَقَالَ الْآخَرُ
اللَّهُمَّ إِنِّي كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ فَلَمَّا قَضَى
عَمَلَهُ قَالَ أَعْطِنِي حَقِّي فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهُ فَتَرَكَهُ وَ
رَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ أَزَلْ أَزْرَعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا
فَجَاءَنِي فَقَالَ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تَظْلِمْنِي وَأَعْطِنِي حَقِّي فَقُلْتُ
اذْهَبْ إِلَى الْبَقَرِ وَرَاعِيهَا فَقَالَ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تَهْزَأْ بِي فَقُلْتُ
إِنِّي لَا أَهْزَأُ بِكَ فَخُذْ ذَلِكَ الْبَقَرَ وَرَاعِيَهَا فَأَخَذَهُ فَانْطَلَقَ
بِهَا فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ
مَا بَقِيَ فَفَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُمْ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ "تین آدمی کہیں چلے جا رہے تھے کہ اُنکو مینھ نے
آلیا۔ وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے۔ پہاڑ سے غار کے منھ پر ایک پتھر کی چٹان
آپڑی اور غار کو بند کر دیا۔ تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا، اپنے اُن
نیک عملوں پر نظر ڈالو جو خاص طور پر خدا کے لئے کئے ہوں، اور اُس عمل کے وسیلہ
سے خدا سے دعا مانگو۔ اُمید ہے کہ خداوند تعالیٰ اس پتھر یا اس مصیبت کو دور کر دے۔
ایک نے ان میں سے کہا کہ اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی
چھوٹے چھوٹے بچے تھے، میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ ان کا دودھ ان سب کو پلاؤں جب
شام ہو جاتی تو میں گھر آتا دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر
بچوں کو دیتا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دور لے گئے (یعنی
بکریوں کو چراتا چراتا میں دور نکل گیا) اور وقت پر میں گھر واپس نہ آسکا یہاں تک کہ
شام ہو گئی۔ جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ دونوں سو گئے ہیں، میں نے
حسب معمول دودھ دوہا پھر دودھ کا برتن لیکر ماں باپ کے پاس پہنچا، اور اُن کے
سرہانے کھڑا ہو گیا۔ مجھ کو اُن کو جگانا بھی بُرا معلوم ہوا، اور یہ بھی کہ ماں باپ سے
پہلے بچوں کو دودھ پلا دوں، بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور
چلاتے تھے، اور میں دودھ لئے کھڑا تھا صبح تک یہی کیفیت رہی، یعنی میں دودھ
لئے کھڑا رہا، اور بچے روتے رہے، اور ماں باپ پڑے سوتے رہے، اے اللہ! اگر
تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضامندی اور خوشنودی کیلئے کیا تھا تو تو
اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو
اتنا ہٹا دیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے کہا کہ اے اللہ! میرے چچا
کی ایک بیٹی تھی میں اُس سے انتہائی محبت رکھتا تھا، ایسی محبت جیسی کسی مرد کو
کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے، میں نے اُس سے جماع کی خواہش

ظاہر کی، اُسنے کہا کہ سب تک سو اشرفی نہ دوگے ایسا نہیں ہو سکتا، میں نے کوشش شروع کی، اور سو اشرفیاں جمع کرلیں، اور اُن کو لیکر میں اسکے پاس پہنچا، پھر جب میں اُس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کیلئے) تو اُسنے کہا کہ اے خدا کے بندے خدا سے ڈر اور مُہر کو نہ توڑ! میں خدا کے خوف سے فوراً اُٹھ کھڑا ہوا (یعنی اُس سے جماع نہیں کیا) اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا فعل محض تیری رضامندی اور خوشنودی کیلئے تھا، تو اس پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لئے راستہ کھول دے، خداوند تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹا دیا۔ تیسرے شخص نے کہا اے اللہ! میں نے ایک شخص کو مزدوری پر لگایا تھا، ایک فرق (پیمانہ) چاول کے معاوضہ پر، جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہا میری مزدوری مجھ کو دلوائیے؟ میں اُس کی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا، اور پھر اپنے حق کو لینے کیلئے نہ آیا، تو میں نے اس کی مزدوری کے چاولوں سے کاشت شروع کردی، اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا، یہاں تک کہ اُن چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل اور اُن کے چرواہے جمع کر لئے، پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا، خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر، اور میرا حق میرے حوالہ کر، میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا (کہ وہ تیرا حق ہے) اُسنے کہا بندے خدا سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر، میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا، ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا، یہ سب تیرے ہی ہیں، چنانچہ اُسنے اُن سب کو جمع کیا اور لیکر چلا گیا، اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا فعل محض تیری خوشنودی اور رضامندی کے لئے تھا، تو تو اس پتھر کو بالکل ہٹا دے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو ہٹا دیا، اور راستہ کھول دیا۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جن تین صاحبوں کا قصہ بیان فرمایا ہے، بظاہر یہ کسی اگلے پیغمبر کے اُمتی تھے، حضورؐ نے اپنی اُمت کی سبق آموزی کیلئے اس قصہ کو

بیان فرمایا — اس واقعہ میں اللہ کے ان بندوں نے اپنے جن اعمال کو خدا کے حضور میں پیش
کرکے جس سے دعا کی ہے ان کی چند خصوصیتیں قابل لحاظ ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم خصوصیت جس کا حدیث میں صراحۃً ذکر بھی ہے یہ ہے کہ تینوں عمل صرف
اللہ کی رضا جوئی میں کئے گئے تھے اور ان اعمال کی اسی خصوصیت کی بنا پر ان بندوں نے اللہ کے حضور میں
ان کو پیش کیا تھا۔

دوسری ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تینوں عمل اللہ کے حکم و مرضی کے مقابلے میں اپنے نفس کی
چاہت کو دبانے اور قربان کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں — ذرا سوچئے پہلے شخص کا مجاہدۂ نفس کتنا
سخت ہے، دن بھر وہ جانوروں کو جنگل میں چراتا رہا ہے، اور شام کو دیر سے تھکا ہارا آیا ہے، قدرتی طور پر
اس کا جی سونے کو بہت چاہتا ہوگا، بلکہ وہ سونے کیلئے مضطر اور بیقرار ہوگا، لیکن چونکہ ماں باپ بلا دودھ
پئے سو گئے تھے، اور یہ اللہ کی رضا اسی میں سمجھتا تھا کہ جس وقت نیند سے انکی آنکھ کھلے، یہ ان کو دودھ
پلا دے، اسلئے یہ شخص رات بھر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے ان کے سرہانے کھڑا رہا — اور پھر
اسکے بچے اسکے قدموں میں پڑے بھوک سے روتے چلاتے رہے، لیکن اسنے ماں باپ کے حق کو مقدم جان کر
اللہ ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے یہ مجاہدہ بھی کیا کہ بوڑھے ماں باپ سے پہلے اپنے پیارے بچوں کو
بھی دودھ نہ پلایا، یہاں تک کہ اسی حال میں صبح ہوگئی۔

اسی طرح دوسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے، ایک جوان ایک لڑکی سے عشق رکھتا ہے
اور جب ایک بیش قرار رقم طے ہو جاتی ہے اور کسی طرح وہ رقم مہیا کرکے اس کو دے بھی دیتا ہے اور زندگی
کی سب سے بڑی تمنا پوری کرنے کا اسے پورا موقع مل جاتا ہے اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی، تو ٹھیک
اس وقت اللہ کا نام بیچ میں آتا ہے اور وہ بندہ اپنے نفس کی خواہش پوری کئے بغیر اللہ سے ڈر کر اور
اس کی رضا طلبی میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے — ہر نفس رکھنے والا انسان اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ کتنا
سخت مجاہدہ ہے، اور اللہ کی رضا کے مقابلے میں خواہشِ نفس قربان کرنے کی یہ کتنی اعلیٰ مثال ہے۔

اسی طرح تیسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے — ایک مزدور کے چند سیر

چاول ایک شخص کے پاس رہ گئے۔ اُس نے انہی چاولوں کو اپنی زمین میں بو دیا پھر جو پیداوار ہوئی اس کو اُس نے اُسی مزدور کی ملکیت قرار دے کر اُسی کے حساب میں اُس کو اُگاتا اور بڑھاتا رہا یہاں تک کہ اس سے اتنی دولت فراہم ہوگئی کہ جانوروں کا ایک ریوڑ کا ریوڑ ہوگیا۔ پھر جب کچھ مدت کے بعد وہ مزدور آیا تو اس امانت دار اور نیک کردار بندہ نے وہ ساری دولت جو خود اس کی اپنی محنت اور توجہ سے فراہم ہوئی تھی وہ سب کی سب اُس مزدور کے حوالہ کردی۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اُس وقت شیطان نے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈالے ہوں گے اور اپنے نفس کی یہ کتنی شدید خواہش ہوگی کہ یہ دولت جو صرف اپنی محنت سے پیدا کی گئی ہے اور جس کا اُس مزدور کو کوئی علم بھی نہیں ہے اس کو اپنے ہی پاس رکھا جائے لیکن اللہ کے اس بندے نے رضاءِ الٰہی کی طلب میں اپنے نفس کی اس خواہش کو قربان کیا اور وہ ساری دولت اس بیچارے مزدور کے حوالے کردی۔

اسی طرح ان تینوں عملوں کی ایک خصوصیت یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اصطلاحی اور عرفی عبادت نہیں ہے بلکہ ایک کا تعلق بابِ معاشرت سے ہے، ایک کا بابِ معاملت سے، اور ایک کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ کے ایک بندہ نے خدا سے ڈر کر اور اس کی رضا جوئی میں ایک ایسے گناہ کو چھوڑا ہے جو اُس کی انتہائی تمنا اور خواہش تھی اور جس کے سارے اسباب بھی اُس نے فراہم کر لئے تھے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر بندہ اپنے کسی نیک عمل کے متعلق یہ اندازہ رکھتا ہو کہ وہ اخلاص کی کیفیت کے ساتھ ادا ہوا ہے تو اپنی دعا میں بطور وسیلہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اُس کو پیش کر سکتا ہے۔

ریا ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے:-

اخلاص و للّٰہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ کی رضا اور رحمت کی طلب میں کرنا) جس طرح ایمان و توحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے اسی طرح ریا و سمعہ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان و توحید کے منافی، اور ایک قسم کا شرک ہے۔

(۲۵۱) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ ــــــــ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اُس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا، اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ خیرات کیا اُس نے شرک کیا۔ (مسند احمد)

(تشریح) حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے، یہ وہ شرک حقیقی اور "شرک جلی" اور "شرک اکبر" ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے، اور ہم مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا کرنے والا ہرگز ہرگز نہیں بخشا جائے گا ــــــــ لیکن بعض اعمال اور اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی کر شرک نہیں ہیں لیکن اُن میں اس شرک کا تھوڑا بہت شائبہ ہے، اُن ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کے لئے کرے یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار اور نیکوکار سمجھیں اور اسکے معتقد ہو جائیں، اسی کو ریا کہا جاتا ہے، یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہے لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو "شرک خفی" اور ایک اور حدیث میں "شرک اصغر" کہا گیا ہے (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کی جا رہی ہیں)۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ انکے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کے لئے اور انکی نظروں میں معزز و محترم بننے کے لئے یا اُن سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا

شرک ہی ہوگا، اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

(۲۵۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاکَرُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا ھُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَّقُوْمَ الرَّجُلُ یُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَہٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ ـــــــــــ

(رواہ ابن ماجۃ)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے حجرۂ مبارک سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اُس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح دجّال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے، تو آپ نے ہم سے فرمایا:۔ کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمھارے لئے دجّال سے بھی زیادہ خطرناک ہے، ہم نے عرض کیا:۔ حضورؐ! ضرور بتلائیں وہ کیا چیز ہے!۔ آپ نے فرمایا:۔ وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو اسلئے لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب غالبًا یہ تھا کہ دجّال جس کھلے شرک و کفر کی دعوت دے گا اور جس کے لئے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا، مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا امتی اس کی بات ماننے کے لئے آمادہ ہوگا، لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا کر دے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو، بلکہ خفی قسم کا شرک ہو، جس کی مثال آپ نے یہ دی کہ نماز اسلئے لمبی اور بہتر پڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ایسا ہوگا کہ آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے؟۔ آپ نے فرمایا:۔ یہ تو اطمینان ہے کہ میرے امتی چاند سورج کو اور پتھروں اور بتوں کو نہیں پوجیں گے لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہوگا کہ ریا والے شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

(۲۵۳) عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ؟ قَالَ الرِّيَاءُ ——

(رواہ احمد)

(ترجمہ) محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ "شرک اصغر" کا ہے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! "شرکِ اصغر" کا کیا مطلب ہے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ریا (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرنا)۔ (مسند احمد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کا اصل مقصد و منشا اپنے امتیوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں اور اس خفی قسم کے شرک سے بھی اپنے اعمال کی حفاظت کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس خفی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کر دے۔

جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا۔

(۲۵۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِىْ غَيْرِىْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ ——

وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاَنَا مِنْہُ بَرِیْءٌ ھُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَہٗ ــــــ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں شرک اور شرکت سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرکاء شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرکت منظور کر لیتے ہیں اس طرح میں راضی نہیں ہوتا اور کسی کی ادنیٰ شرکت گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرکت سے بالکل بے نیاز اور سخت بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے (یعنی اُس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور سے بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو معتقد بنانا ہو) تو میں اُس کو اور اُسکے شرک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں ــــ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اُس سے بیزار اور بے تعلق ہوں، وہ عمل (میرے لئے بالکل نہیں، بلکہ) صرف اس دوسرے کے لئے ہے جس کے لئے اُسنے کیا (یعنی جس کو اُسنے شریک کیا)۔ (صحیح مسلم)

(۲۵۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ فَضَالَۃَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰہُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ نَادٰی مُنَادٍ مَنْ کَانَ اَشْرَکَ فِیْ عَمَلٍ عَمِلَہٗ لِلّٰہِ اَحَدًا فَلْیَطْلُبْ ثَوَابَہٗ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ ــــــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) ابوسعید بن ابی فضالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن، جسکے آنے میں کوئی شک نہیں ہے سب آدمیوں (اولین وآخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا، کہ

جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اُسنے اللہ کیلئے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اُس کا ثواب اُسی دوسرے سے جا کر طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔ (مسند احمد)

(تشریح) دونوں حدیثوں کا حاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اُس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اُسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اُس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو، اور اُسکے سوا کسی کو بھی اُس میں شریک نہ کیا گیا ہو، اور اسکے برخلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اُس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو بالکل قبول نہ کرے گا، وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی لگاوٹ سے بھی بیزار ہے۔

یہ انجام تو اُن اعمال کا ہے جو اللہ کے لئے کئے جائیں لیکن نیت میں پورا اخلاص نہ ہو بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی لگاوٹ ہو لیکن جو "نیک اعمال" محض ریاکارانہ طور پر کئے جائیں، جن سے صرف نام و نمود، دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراجِ عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دیے کر ان عمل کرنے والوں کے منھ پر مار دیئے جائیں گے، بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ریاکاروں کو فضیحت اور رسوائی کی سزا:۔

(۲۵۶) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللّٰهُ بِهِ ـــــــ ...

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی عمل سنانے اور شہرت دینے کیلئے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا، اور جو کوئی دکھاوے کیلئے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھائے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا انکے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ انکی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرا دیا جائے گا کہ یہ بدبخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کیلئے نہیں کرتے تھے بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کے لئے کیا کرتے تھے ۔ الغرض جہنم کے عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا یہ ملے گی کہ سر محشر انکی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو انکی بدباطنی دکھا دی جائے گی ۔ اللّٰهُمَّ احْفَظْنَا !

دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ :-

(۲۵۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّأْنِ مِنَ اللِّيْنِ أَلْسِنَتُهُمْ أَحْلَى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَبِي يَغْتَرُّوْنَ أَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِئُوْنَ فَبِي حَلَفْتُ لَأَبْعَثَنَّ عَلَى أُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانَ ۔ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے ۔ وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کے لئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے انکی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی ، مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہونگے ۔ (انکے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ، کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں ، پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر

انہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو اُن میں کے عقلمندوں اُور داناؤں کو بھی حیران بناکے چھوڑے گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں زاہدوں کی صورت بناکر اُور اپنے اندرونی حال کے بالکل برعکس اُن خاصانِ خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کرکرکے اللہ کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے، اُور ان سے دنیا کمائی جائے، بدترین قسم کی ریاکاری ہے، اُور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اِس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کئے جائیں گے۔

ریاکار عابدوں اُور عالموں کو جہنم کا سخت ترین عذاب:۔

(۲۵۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ! قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ کُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ، قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَدْخُلُهَا؟ قَالَ اَلْقُرَّاءُ الْمُرَاؤُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ ـــــــ رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ "جُبُّ الْحُزْن" (غم کے کنوئیں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، حضرت! جُبُّ الْحُزْن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا بُرا ہے کہ) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اُس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اُس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا:۔ وہ بڑے عبادت گذار اُور یا وہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کے لئے اچھے اعمال کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جہنم کے اس خندق "جُبُّ الحُزن" میں ڈالے جانے والوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "القُرّاء" کا لفظ بولا ہے، اسکے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں — پس حضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنوئیں یا خندق میں وہ لوگ جھونکے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار، علم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عبادتگذار ہوں گے لیکن حقیقت میں اور باطن کے لحاظ سے اُن کی یہ ساری دینداری اور عبادتگذاری ریاکارانہ ہوگی

قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد، ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار سخی کے بارہ میں کیا جائیگا:-

(۲۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِیْكَ حَتّٰی اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِیْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِیْكَ الْقُرْاٰنَ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِیُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِیُقَالَ هُوَ قَارِیٌٔ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ

فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ بِهِ عَلٰى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ سب سے پہلا شخص جسکے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالت خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا، ایک آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا۔ یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا پھر خداوند تعالیٰ اُس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں، وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لئے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا! (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے تو جہاد میں حصہ اسلئے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو تیرا یہ مقصد حاصل ہو چکا اور (دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہو لئے، پھر اُس کیلئے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا ——— اور اُسی کیساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جسنے علم دین حاصل کیا ہوگا، اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتلائے گا، وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا، بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کیلئے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوندا! میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا

کے لئے آپ کی کتاب پاک قرآن میں مشغول رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ
کہی، تو نے تو علم دین اسلئے حاصل کیا تھا، اور قرآن تو اسلئے پڑھتا تھا کہ تجھ کو عالم و
قاری اور عابد کہا جائے، سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے
عالم و عابد اور قاری قرآن ہونے کا چرچا خوب ہو لیا، پھر اُس کے لئے بھی خدا تعالیٰ کا
حکم ہوگا، اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا ـــــــ
اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی
ہوگی، اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا، وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا،
اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں تبلائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں)
وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے
کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کے لئے ان کو استعمال کیا)۔ وہ عرض کرے گا خداوندا!
جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال
اُن سب ہی میں خرچ کیا ہے، اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا ہے، اللہ تعالیٰ
فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا، درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اسلئے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی
مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے ہوں) سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل
ہوگیا۔ اور دنیا میں) تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے خوب ہو لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ
کی طرف سے اس کے لئے بھی حکم ہوگا، اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں
ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) العظمۃ للہ! کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث، اسی کی بعض روایتوں
میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بیہوش ہو جاتے تھے
ـــــــ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ آپ کے سامنے یہ حدیث
بیان کی گئی تو وہ بہت روئے، اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے یعنی علم دین کی تحصیل و تعلیم، قرآن مجید میں مشغولیت اور راہِ خدا میں جانی اور مالی قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں، اور اگر اخلاص کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں، لیکن یہی اعمال جب دکھاوے اور شہرت کے لئے یا اسی قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کیلئے کئے جائیں تو اللہ کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چوروں، ڈاکوؤں اور زناکاروں) سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کے لئے کیا جائے گا، اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا!۔

اعمالِ صالحہ کی وجہ سے لوگوں میں اچھی شہرت، اللہ کی ایک نعمت ہے:۔

(۲۶۰) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ الرَّجُلَ یَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَیْرِ وَیَحْمَدُہُ النَّاسُ عَلَیْہِ ـــــ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَیُحِبُّہُ النَّاسُ عَلَیْہِ ـــــ قَالَ تِلْکَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ ـــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ ـــــ اور ایک روایت میں ہے کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں؟ ـــــ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ یہ تو مومن بندہ کی نقد بشارت ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ریا اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا قسم کے ارشادات نے صحابۂ کرام کو اتنا ڈرا دیا تھا کہ ان میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جب نیک

عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اسکی نیکی کا چرچا ہو، اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں۔ تو شاید وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا، کیونکہ اس عمل کرنے والے کو دنیا میں شہرت اور محبت کا صلہ مل ہی گیا۔ ۔ ۔ اسی کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا تھا جسکے جواب میں آپنے فرمایا "تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِن" جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک عمل کی شہرت ہو جانا اور لوگوں کا اسکی تعریف یا اس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اصل انعام سے پہلے اس دنیا میں نقد صلہ اور اس بندہ کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کو ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے اسی حال میں ایک شخص آیا اور اسنے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا، انھوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا (تاکہ خدانخواستہ اگر یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ و استغفار کیا جائے) آپنے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خلوت کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور جلوت کی نیکی کا بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال صالحہ اخلاص کیساتھ اللہ ہی کیلئے کئے جائیں، لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اس کو اس سے خوشی ہو تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اسلئے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اسکی اقتدا کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم و تبلیغ کا بھی ثواب ملے گا، بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت اخلاص نصیب فرمائے، اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریا و سمعہ جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمین! ۔ (جلد ثانی ختم ہوئی)

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ